

## ختم نبوت اور پیشگوئی مصالح موعود

يُؤْتَى الْحِكْمَةَ مَنْ يَشَاءُ وَمَنْ يُؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوتَى خَيْرًا كَثِيرًا وَمَا يَذَّكَرُ  
إِلَّا أُولُو الْأَلْبَابِ۔ (البقرہ۔ ۲۷۰)

وہ جسے چاہتا ہے حکمت عطا کرتا ہے اور جسے حکمت عطا کی گئی ہو تو اسے بہت ہی نفع رسائیں چیزیں گئی  
او عقائد و کیفیت سے متعلق بھی کوئی حاصل نہیں کیا کرتا۔

جناب شیخ راحیل صاحب! سلام مسنون

آپ کا کھلا خط بظاہر قادیانی گروپ کے امیر مرا اسرور کے نام تھا۔ لیکن چونکہ آپ نے یہ کھلا خط میری طرف بھی روانہ کیا تھا اور غالباً اس سے آپ کا مقصد یہ تھا کہ اگر ہو سکے تو خاکسار بھی آپ کی راہنمائی کرے۔ میں نے کافی عرصہ کے بعد اور اس ذاتی تعلق کی وجہ سے جو اس عاجز کو آپ کے ساتھ تھا، ایک ہمدردانہ اور کسی بھی قسم کی فقرے بازی سے پاک آپ کو ایک عرض ناصحانہ کی تھی۔ اس عرض ناصحانہ میں آپ کو یہ درخواست بھی کی تھی کہ قبول کلام اللہ اور کلام رسول ﷺ کسی انسان کے محترم اور برگزیدہ وجود کے بارے میں گھشا اور عامیانہ زبان استعمال نہ کرو بلکہ اگر ہو سکے تو اسکی تکریم کرو۔ لیکن آپ نے میری عرض کا جواب لکھا اس میں آپ نے میری گذارش کے باوجود حضرت مرزا صاحب علیہ السلام کیلئے انتہائی گھشا زبان استعمال کی۔ حضرت مرزا صاحبؒ کے علاوہ بعض دیگر احباب جن کا ہم دونوں کی گفتگو سے کوئی تعلق نہیں تھا کے بارے میں بھی آپ نے نازیبا الفاظ استعمال کیے۔ حالانکہ آپ کو ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا۔ کم از کم میرے انداز بیان ہی سے سبق حاصل کر لیتے۔ لیکن چونکہ ہر انسان کی جدا فطرت ہے اور وہ اپنی فطرت کے مطابق ہی بات کرتا ہے لہذا آپ نے جو کچھ کیا ہے اپنی فطرت کے مطابق ہی کیا ہوگا۔

## ختم نبوت اور حضرت مرزا صاحبؒ

شیخ صاحب! آپ نے اپنے مضمون کے آغاز میں ہی مجھ پر مدعا نبوت کا جھونٹا از امام لگا کر میرے متعلق ایک بہت بڑا جھوٹ بولا ہے۔ کیا آپ میری کسی تحریر سے یہ ثابت کر سکتے ہیں کہ میں نبوت کا مدعی ہوں۔ آپ ہرگز یہ بات ثابت نہیں کر سکتے اور نہ ہی میرا کوئی ایسا دعویٰ ہے۔ میرا دعویٰ صرف حضرت مرزا صاحبؒ کی موعود غلامی کا ہے۔ آپ نے جب میرا امنڑو یو کیا تھا، اس وقت بھی میں نے اپنے موعود غلامی کے دعویٰ کا بطور خاص ذکر کیا تھا لیکن جیرت ہے کہ آپ نے سب کچھ جانتے بو جھتے ہوئے اتنی بڑی جھوٹی بات میری طرف منسوب کر دی۔ اس وقت میں پھر یہ اعلان کرتا ہوں کہ میرا دعویٰ صرف اور صرف حضرت امام مہدی و مسیح موعود علیہ السلام کی موعود غلامی کا ہے۔ وہ موعود کی غلام جس کی خبر حضرت مرزا غلام احمدؒ ۲۰ فروری ۱۸۸۴ء کی الہامی پیشگوئی میں دی گئی تھی۔ مزید میں آپ سے کہتا ہوں کہ جس طرح آپ نے ایک ایسا غلط اور جھوٹ پر مبنی دعویٰ میری طرف منسوب کیا ہے جو کہ میرے وہم و مگان میں بھی نہیں ہے بالکل اسی طرح ایک صدی قبل مخالف علمائے اسلام نے بھی حضرت مرزا صاحبؒ کی طرف ایسی نبوت کا دعویٰ منسوب کیا تھا جس کا حضرت مرزا صاحبؒ نے ساری زندگی انکار کیا ہے۔ حضور ارشاد فرماتے ہیں۔

(۱) ”اور وہ ختم الانبیاء ہے۔ مگر ان معنوں سے نہیں کہ آئندہ اُس سے کوئی روحانی فیض نہیں ملے گا بلکہ ان معنوں سے کہ وہ صاحب خاتم ہے جس کی مہر کے کوئی فیض کسی کو نہیں پہنچ سکتا اور اسکی امت کیلئے قیامت تک مکالمہ اور مخاطبہ الہیہ کا دروازہ کبھی بند نہ ہوگا۔ اور بجز اسکے کوئی نبی صاحب خاتم نہیں ایک وہی ہے جس کی نبوت بھی مل سکتی ہے جس کیلئے اُمّتی ہونا لازمی ہے۔“ (حقیقتہ الوجی۔ روحانی خزانہ جلد ۲۲ صفحہ ۲۹ تا ۳۰)

(۲) ”اور ایک اور نادانی یہ ہے کہ جاہل لوگوں کو بھڑکانے کیلئے کہتے ہیں کہ اس شخص نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے حالانکہ یہ انکا سراسرا فتوح ہے۔ بلکہ جس نبوت کا دعویٰ کرنا قرآن شریف کے رو سے منع معلوم ہوتا ہے ایسا کوئی دعویٰ نہیں کیا گیا صرف یہ دعویٰ ہے کہ ایک پہلو سے میں اُمّتی ہوں اور ایک پہلو سے میں آنحضرت ﷺ کے فیض نبوت کی وجہ سے نبی ہوں اور نبی سے مراد صرف اس قدر ہے کہ خدا تعالیٰ سے بکثرت شرف مکالمہ و مخاطبہ پاتا ہوں۔“ (حقیقتہ الوجی۔ روحانی خزانہ جلد ۲۲ صفحہ ۳۰۶)

(۳) ”اور یہ کہنا کہ نبوت کا دعویٰ کیا ہے۔ کس قدر جہالت کس قدر حماقت اور کس قدر رحمت سے خروج ہے۔ اے نادانو! میری مراد نبوت سے یہ نہیں ہے کہ میں نعوذ بالله آنحضرت ﷺ کے مقابل پر کھڑا ہو کر نبوت کا دعویٰ کرتا ہوں یا کوئی نئی شریعت لایا ہوں۔ صرف مراد میری نبوت سے کثرت مکالمات و مخاطبات الہیہ ہے جو آنحضرت ﷺ کی ایتابع سے حاصل ہے سوم مکالمہ و مخاطبہ کے آپ لوگ بھی قائل ہیں۔ پس یہ صرف لفظی نزاع ہوئی۔ آپ لوگ جس امر کا نام مکالمہ و مخاطبہ رکھتے ہیں میں اسکی کثرت کا نام بھو جب حکم الہی

نبوت رکھتا ہوں۔ ولکل ان یصطلاح۔ اور میں اس خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ اُس نے مجھے بھیجا ہے اور اُسی نے میرا نام نبی رکھا ہے۔“  
(حقیقتہ الوجی۔ روحاںی خزانہ جلد ۲۲ صفحہ ۵۰۳)

جناب شیخ صاحب! آپ نے مدی نبوت کا جو جھوٹا الزام مجھ پر لگایا ہے۔ میں اس کا اب بھی انکار کرتا ہوں اور قیامت کے دن بھی انکار کروں گا تو پھر آپ اللہ تعالیٰ کے حضور کیا جواب دو گے؟ آپ اس دن کیسے جان چھڑاؤ گے؟ دلوں کے بھید تو اللہ تعالیٰ جانتا ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ کسی جنگ کے موقع پر کسی صحابی نے ایک کافر کو نیچے گرا لیا۔ اس کا فرنے کلمہ پڑھ لیا۔ اس صحابی نے پھر بھی اس کلمہ پڑھنے والے کو بالا کر دیا۔ اور جب اس واقعہ کی خبر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں پہنچی تو آپ ﷺ اس صحابی پر انہتائی نار ارض ہوئے اور اُس سے فرمایا کیا تو نے اس کا دل چیر کر دیا تھا کہ اس نے کلمہ دل سے نہیں پڑھا؟ روز قیامت جب یہ کلمہ تیرے خلاف گواہی دے گا تو پھر تو کیا کرے گا؟ وہ صحابی بیچارہ کہنے لگا کہ کاش میں آج سے پہلے مسلمان ہی نہ ہوا ہوتا۔ اپنے مذموم مقاصد پورا کرنے کیلئے کسی انسان کی طرف کوئی ایسا غلط عوی منسوب کر دینا جو اُس انسان کے ذہن و گمان میں بھی نہ ہو بہت بڑا گناہ ہے۔ اسی طرح حضرت مرزا صاحب کا دعوی نبوت آنحضرت ﷺ کی غلامی میں تھا نہ کہ آپ ﷺ کے مقابل پر اور یہ غلام نبوت کا دعوی قرآن مجید اور آنحضرت ﷺ کی تعلیم کے عین مطابق ہے نہ کخلاف۔ غلام یاً مُتَّقِی نبوت کے متعلق درج ذیل آیات میں نے آپکے آگے رکھیں تھیں لیکن آپ نے ان کا کوئی جواب نہیں دیا۔

(۱) وَتَمَنْ يُطِيعُ اللَّهَ وَالرَّسُولَ فَأُولَئِكَ مَعَ الَّذِينَ أَنْتَمْ عَلَيْهِمْ مِنَ الْتَّبِيِّنَ وَالصِّدِّيقِينَ وَالشَّهِدَاءِ وَالصَّلِحِينَ وَحُسْنَ أُولَئِكَ رَفِيقًا۔  
(النساء۔ ۷۰) اور جو اللہ اور اس رسول کی اطاعت کریں گے وہ ان لوگوں میں شامل ہونے جن پر اللہ نے انعام کیا ہے یعنی انبیاء اور صدیقین اور شہداء اور صالحین اور یہ لوگ اچھے رفیق ہیں۔

(۲) يَئِنَّى إِذْمَرِ إِمَّا يَأْتِيَنَّكُمْ رُسُلٌ مِنْكُمْ يَقُصُّونَ عَلَيْكُمْ إِيمَنِي أَنْتَنِي وَأَصْلَحَ فَلَا خُوفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزُنُونَ۔ (اعراف۔ ۳۶) اے آدم کے بیٹو! اگر تمہارے پاس تم میں سے رسول بنا کر بھیج جائیں اس طرح کہ وہ تمہارے سامنے میری آیات پڑھ کر سناتے ہوں تو جو لوگ تقویٰ اختیار کریں اور اصلاح کریں ان کو نکسی قسم کا خوف ہو گا اور نہ وہ غنیمیں ہو نگے۔

جناب شیخ صاحب! قیامت کے دن جب حضرت مرزا صاحب اللہ تعالیٰ کے حضور جہاں محمد عربی ﷺ بھی کھڑے ہوں گے یہ اعلان فرمائیں گے۔

وہ پیشوا ہمارا جس سے ہے نور سارا۔ نام اس کا ہے محمد ﷺ دبر مرا یہی ہے سب پاک ہیں پیغمبر اک دوسرے سے بہتر۔ لیک از خدائے بر تر خیر الوری یہی ہے پہلوں سے خوب تر ہے خوبی میں اک قمر ہے۔ اس پر ہر اک نظر ہے بدرا الدجے یہی ہے وہ آج شاہ دیں ہے وہ تاج مسلیں ہے۔ وہ طیب و امیں ہے اُسکی شاء یہی ہے حق سے جو حکم آئے سب اُس نے کر دھائے۔ جو راز تھے بتائے نعم العطا یہی ہے جو راز دیں تھے بھارے اُس نے بتائے سارے۔ دولت کا دینے والا فرمان روا یہی ہے سب ہم نے اُس سے پایا شاہد ہے تو خدا یا۔ وہ جس نے حق دکھایا وہ ملقا یہی ہے اُس نور پر فدا ہوں اُس کا ہی میں ہوا ہوں۔ وہ ہے میں چیز کیا ہوں بس فیصلہ یہی ہے اس دن آپ اور آپ جیسے دوسرے لوگ اس جھوٹے الزام سے کیسے جان چھڑاؤ گے؟ اگر آپ یہ کہو گے کہ یہ الفاظ حضرت مرزا صاحب نے ظاہری طور پر کہے تھے لیکن حضرت مرزا صاحب کے دل میں نہیں تھے تو پھر قیامت کے دن بھی محمد عربی ﷺ کا وہی فتویٰ چلے گا جو آپ ﷺ نے اپنے صحابی کے متعلق فرمایا تھا کہ کیا آپ سب مکن بولوں اور مکفرین نے حضرت مرزا صاحب کے دل میں جھانک کر دیکھ لیا تھا؟

## آپ کے چند دیگر اعتراضات!

آپ نے نبوت کے سلسلہ میں حضرت مرزا صاحب کے بیانات میں جن تصادفات کا ذکر کیا ہے اُسکی حضور نے اس طرح وضاحت فرمائی ہے۔

”اور جس جس جگہ میں نے نبوت یا رسالت سے انکار کیا ہے صرف ان معنوں سے کیا ہے کہ میں مستقل طور پر کوئی شریعت لانیوالا نہیں ہوں اور نہ میں مستقل نبی ہوں۔ مگر ان

معنوں سے کہ میں نے اپنے رسول مقتداء سے باطنی فیوض حاصل کر کے اور اپنے لئے اُس کا نام پا کر اُسکے واسطے سے خدا کی طرف سے علم غیب پایا ہے رسول اور نبی ہوں مگر بغیر کسی جدید شریعت کے اس طور کا نبی کہلانے سے میں نے کبھی انکار نہیں کیا بلکہ انہی معنوں سے خدا نے مجھے نبی اور رسول کے پکارا ہے۔“ایک غلطی کا ازالہ۔ روحانی خزانہ جلد ۱۸ صفحہ ۲۱۰ تا ۲۱۱)

جناب شیخ صاحب! ان الفاظ سے آپ کو اور آپ علیے دوسرے گمراہوں کو پتہ لگ جانا چاہیے کہ حضورؐ نے کس قسم کی نبوت کا انکار اور اُس کا دعویٰ کرنے والے پر لعنت بھیجی ہے اور کس قسم کی نبوت کا آپ نے دعویٰ کیا ہے؟

میں نے اپنے مضمون کے آغاز میں یہ بات لکھی تھی کہ ”اب ایک عام مسلمان بھی بخوبی جانتا ہے اور سمجھتا ہے کہ اس آیت خاتم النبیین سے مراد مطلق نبوت کا خاتمہ نہیں بلکہ تشریف نبوت کا خاتمہ ہے۔“ جناب شیخ صاحب! اولاً آپ کو معلوم ہونا چاہیے تھا کہ میں نے کس مسلمان کی بات کی ہے۔ میں نے اس مسلمان کی بات کی ہے جس کے اندر خوف خدا ہے اور وہ جو دیانتدار اور صاحب شعور ہے نہ کہ ان مسلمانوں کی بات کی ہے جن کو عالمائے شوء نے اپنی نفسانی اغراض کی خاطر گمراہ کر رکھا ہے۔ اکثریت سچائی کا پیمانہ نہیں ہوتا بلکہ مومن ہمیشہ اقلیت میں ہوتے ہیں۔ آنحضرت ﷺ اور آپ کے صحابہؓ نے جب مدینہ کی طرف بھرت کی تو آپ ﷺ اور آپ کا گروہ اقلیت میں تھا۔ کیا آپ ﷺ کی یہ اقلیت نعوذ باللہ آپ ﷺ کے جھوٹا ہونے پر دال تھی؟ آن دنیا میں عیسائی غالب اکثریت میں ہیں اور وہ نعوذ باللہ اسلام اور باعثہ اسلام کو جھوٹا سمجھتے ہیں۔ کیا آپ کے اکثریتی فارمولہ کے مطابق اسلام اور باعثہ اسلام ﷺ کو نعوذ باللہ جھوٹا سمجھ لیا جائے؟ فتنہ

ثانیاً آپ نے جن اکثریتی مسلمانوں کے فتویٰ کی بات کی ہے۔ شاعر مشرق اور حکیم الامت علامہ اقبال کی نظر میں ان مسلمانوں کی حیثیت کیا ہے؟ ملاحظہ فرمائیے۔

شور ہے ہو گئے دنیا سے مسلمان نابود۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ تھے بھی کہیں مسلم موجود؟

وضع میں تم ہونصاری، تو تم میں ہنود۔ یہ مسلمان ہیں! جنہیں دیکھ کے شرما نہیں یہ ہو!

یوں تو سید بھی ہو، مرزا بھی ہو، افغان بھی ہو۔ تم سبھی کچھ ہو، بتاؤ تو مسلمان بھی ہو

جناب شیخ صاحب! مولانا الطاف حسین حامل نے دور حاضر کے مسلمانوں کا جو نقشہ کھینچا ہے سردست میں اس کو جھوڑتا ہوں۔ اور آپ کو حکیم الامت کے الفاظ میں آپ کی (۹۹ فیصد) اکثریت کا پتہ چل گیا ہوگا کہ اسکی حقیقت کیا ہے؟ یہ لوگ بن چکے ہیں جنہیں دیکھ کر مغضوب علیہ یہودی بھی منہ چھپاتے پھر رہے ہیں۔ کیا آپ خاتم النبیین ایسی حکیمانہ اصطلاح اور مقام کے حوالہ سے ایسے مسلمان اکثریتی گروہ کا فتویٰ لے رہے ہیں؟ ﴿إِنَّ اللَّهَ وَإِنَّ إِلَيْهِ وَإِنَّ إِلَيْهِ وَرَجُوعُكُمْ إِنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ إِنَّمَا يَعْلَمُ مَا بَيْنَ أَذْنَيْكُمْ فَمَا يَعْلَمُ اللَّهُ بِمَا بَيْنَ أَذْنَيْكُمْ وَمَا يَعْلَمُ إِنَّمَا يَعْلَمُ مَا بَيْنَ أَذْنَيْكُمْ وَمَا يَعْلَمُ اللَّهُ بِمَا بَيْنَ أَذْنَيْكُمْ﴾۔ آنحضرت ﷺ کا چلے گا نہ کہ آپ کا یا ان علمائے شوء کا جن کی آپ پیرودی کر رہے ہیں۔ باقی رہا میرا دعویٰ تو میں اسکی بات مضمون کے آخر پر کروں گا۔

آپ اپنے مضمون کے صفحہ ۲ پر لکھتے ہیں۔ ”آپ (خاکسار) کے پیش کئے گئے حوالے تحریف شدہ ہیں۔“ جناب شیخ صاحب! کیا آپ نے میرے کسی تحریف شدہ حوالہ کا ثبوت پیش کیا ہے؟ آپ پہلے ان حوالوں کی تحقیق کریں اور پڑھتاں کر لیں۔ اگر آپ کو کوئی تحریف شدہ حوالہ ملا تو پیش کرنا لیکن سردست میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ مجھے کامل یقین ہے کہ ان حوالوں میں کوئی حوالہ بھی تحریف شدہ نہیں۔ اور بغیر ثبوت کے کسی پر حوالوں کی تحریف کا جھوٹا الزام لگانا فضول اور غوچھ ہے۔ آپ ایک اور جگہ لکھتے ہیں۔ ”تیری بات کہ آپ نے نواب صدیق حسن، نا تو یو صاحبؓ وغیرہ کے جو حوالے دیئے ہیں یہ بزرگان مرزا صاحب کی زندگی میں ہی مرزا جی کو کافر قرار دے چکے ہیں اور مرزا جی اُن کو غلط!“ جناب شیخ صاحب! آپ پر فرض تھا کہ اس عکفی کا کوئی ثبوت بھی دیتے اور بغیر ثبوت کے تو یہ محض جھوٹا الزام ہے۔ آپ کو غالباً ان دونوں علمائے کرام کے حالات زندگی سے واقفیت نہیں۔ مختصر اعرض کرتا ہوں نواب صدیق حسن ۱۳۲ کو تبر ۱۸۳۲ء میں قتوح میں پیدا ہوئے۔ وہی میں تعلیم حاصل کی۔ آپ نے بہت ساری کتابیں لکھیں۔ ۱۸۸۲ء میں حضرت مرزا صاحبؓ نے براہین احمدیہ کی چاروں جلدیں شائع کیں تھیں۔ آپ نے اپنی یہ تصنیف طیف بہت سارے علمائے کرام کو بھیجی۔ ان میں سے ایک نواب صدیق حسن خال بھی تھے۔

نواب صاحب نے اس کتاب کو چاق کر کے واپس بذریعہ ڈاک حضرت مرزا صاحبؓ کو بھیج دیا۔ یہ ایک غلط اور غیر مہذب حرکت تھی۔ حضرت مرزا صاحبؓ کو آپ کی اس حرکت پر افسوس ہوا۔ بہر حال اس حرکت کے بعد اللہ تعالیٰ کا کرنا ایسا ہوا کہ آپ کے سارے خطاب بہمول نوابی واپس لے لئے گئے۔ بعد ازاں صدیق حسن کو اپنی اس غلطی کا شدید احساس ہوا اور آپ نے دو شخص معافی کیلئے حضرت انسؑ کی خدمت میں بھیجے۔ حضرت مرزا صاحبؓ نے اس گستاخی کی معافی دی اور دعا بھی دی۔ بعد ازاں آپ کی وفات ۲۰۱۹ء میں ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے آپ پر یہ کرم کیا کہ آپ کی وفات کے بعد آپ کے یہ خطابات بحال کر دیئے گئے تھے۔ (بحوالہ تذكرة المهدی صفحات ۱۹۹ تا ۲۰۱ء مولف پیر سرانج الحق نہمانی) حضرت مرزا صاحبؓ نے ۱۸۹۱ء میں مثیل مسح ہونے کا دعویٰ کیا اور اس دعویٰ کے بعد آپ کی عکفی شروع ہوئی۔ آپ مجھے بتائیں کہ جو شخص ۲۰۰۰ء میں

آپ کی تکفیر سے بہت پہلے فوت ہو گیا، اُس نے حضرت مرزاصاحبؒ کی تکفیر کب کی تھی؟ تکفیر کا ثبوت بحوالہ دیجئے۔ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ ۱۸۳۳ء میں نانوتو میں پیدا ہوئے۔ آپ ایک متاز عالم دین، متفقی اور پارسا تھے۔ مدرسہ دارالعلوم دیوبند بھی آپ ہی کی کوششوں سے قائم ہوا۔ آپ دیوبند میں ہی ۱۸۸۰ء کو فوت ہوئے۔ ۱۸۸۰ء اعوہ زمانہ تھا جب حضرت مرزاصاحبؒ کو قادریاں میں بھی کم لوگ جانتے تھے۔ اس وقت تک تو آپؒ نے نہ کوئی کتاب لکھی تھی اور نہ ہی کوئی آپؒ کا دعویٰ تھا۔ پھر حضرت مولانا محمد قاسم صاحبؒ جو ۱۸۸۲ء میں فوت ہو گئے تھے، نے حضرت مرزاصاحبؒ کی تکفیر کب کی تھی؟ ثبوت مع حوالہ پیش کیجئے۔

آپ نے حضرت مرزاصاحبؒ کو خود ساختہ نبی قرار دیا ہے اور یہ آپ کی لا فز نی ہے۔ حضور ﷺ نے م Hispan اپنے فضل اور حرم کیسا تھا امت محمد یہ میں غلام نبی یا اُمّتی نبی ہونے کا اعزاز بخشتا ہے اور یہ غلام نبوت یا اُمّتی نبوت وہ نعمت ہے جو کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام میں وعدہ فرمایا ہے۔ نبی بنانا یا نہ بنانا اللہ تعالیٰ کا کام ہے۔ آپ اور آپ جیسے دوسرے غلطی خوردہ لوگ اس الہی نعمت کو کیسے بند کر سکتے ہیں؟ آپ لکھتے ہیں کہ اقتداء نبوت کے حق میں ”قرآن کریم کی ایک سو دس آیات اور دو سو سے زیادہ احادیث اس پر مسوید و گواہ ہیں۔“

جناب شیخ صاحب! بقول آپ کچھ نبوت کے حق میں قرآن میں ایک سو دس آیات ہیں۔ اگر قرآن میں اس عقیدہ کے حق میں اتنی آیات ہیں تو پھر ہمیں احادیث کی کیا ضرورت ہے۔ یہ ایک سو دس آیات قرآن مجید میں کہاں ہیں؟ آپ نے یہ ایک سو دس آیات کیوں نہیں لکھیں؟ ہم ایک صد کو چھوڑتے ہیں کم از کم آپ دس آیات ہی لکھ دیتے۔ آپ لکھتے تو تب جب آپ کچھ غلط عقیدہ کے حق میں کوئی آیت ہوتی۔ جہاں تک آیت خاتم الانبیاء کا تعلق ہے تو میں نے اپنے سابقہ مضمون میں بڑی وضاحت کیسا تھا لکھا ہے کہ اس آیت سے مراد نبوت کا مطلق خاتمہ نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت کی تفسیر اپنے کلام میں سورہ النساء کی آیت نمبر ۳۶ میں کردی ہے۔ یہ دونوں آیات اور پر درج ہو چکی ہیں۔ جناب آپ نے سورہ النساء کی آیت ۳۶ ”وَمَنْ يُطِعِ اللَّهَ وَالرَّسُولَ فَأُولَئِكَ مَعَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيِّينَ وَالصَّدِيقِينَ وَالشَّهِدَاءِ وَالصَّالِحِينَ وَحَسْنَ أُولَئِكَ رَفِيقًا۔ (النساء۔ ۳۶) اور جو اللہ اور اس رسول کی اطاعت کریں گے وہ ان لوگوں میں شامل ہو گئے جن پر اللہ نے انعام کیا ہے یعنی انبیاء اور صدیقین اور شہداء اور صالحین اور یہ لوگ اپچھے رفیق ہیں۔ پر بھی یہ اعتراض کیا ہے۔ آپ لکھتے ہیں کہ ”اس میں مع کا لفظ ہے جس کے معنی ساتھ ہوتے ہیں، یہاں معیت ہے یعنیت نہیں، چونکہ دنیا میں ہر مومن کو معیت حاصل نہیں ہوتی، اسلئے اس سے مراد معیت فی الآخرۃ ہی ہے، آیت مبارکہ میں درجات ملنے کا ذکر نہیں بلکہ جو اللہ تعالیٰ اور اُسکے رسول ﷺ کی اطاعت کرے وہ آخرت میں انبیاء، صدیقون، شہیدوں اور صالحین کیسا تھوڑا ہو گا، جیسا کہ آیت کے آخری الفاظ حسن اُولَئِكَ رَفِيقًا ظاہر کرتے ہیں۔“

جناب شیخ صاحب! آپ کی یہ منطق اور استدلال غلط ہے۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے اور اپنے رسول ﷺ کی اطاعت کرنیوالوں کے متعلق فرمایا ہے کہ وہ انعام یافتہ (منعم علیہ گروہ) کیسا تھا ہو گئے۔ آپ کو یاد رہے کہ انعام یافتہ (نبی، صدیق، شہید اور صالح) لوگوں کیسا تھا انعام یافتہ (نبی، صدیق، شہید اور صالح) لوگ ہی ہوا کرتے ہیں۔ اس دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ بعض آپ ایسے لوگ جو یہ کہتے ہیں کہ یہاں ”مع“ کا لفظ ہے اور معنی یہ ہیں کہ یہ لوگ منعم علیہ گروہ کیسا تھا ہو گئے نہ کہ خود منعم علیہ گروہ میں شامل، اگر آپ ایسے لوگوں کی اس منطق کے مطابق اس آیت کے معنی کیے جائیں تو اس آیت کے معنی بن جائیں گے کہ یہ سب لوگ (اللہ اور رسول ﷺ کی اطاعت کرنیوالے) نبیوں کیسا تھا ہو گئے نبی نہیں ہو گئے، صدیقوں کے ساتھ ہو گئے مگر صدیقوں میں شامل نہیں ہو گئے، شہیدوں کیسا تھا ہو گئے لیکن شہیدوں میں شامل نہیں ہو گئے اور صالحین کیسا تھا ہو گئے لیکن صالحین میں شامل نہیں ہو گئے۔ گویا ان معنوں کی رو سے امت محمد یہ نعوذ بالله اتی بد بخت واقع ہوئی ہے کہ یہ نہ صرف نبوت سے محروم ہوئی ہے بلکہ صدقیقت سے بھی محروم ہوئی ہے اور رسول ﷺ نے یہ جو فرمایا تھا کہ ابو بکر صدیق ہے نعوذ بالله غلط ہے۔ وہ شہداء کے درجے سے بھی محروم ہوئی اور جو یہ خیال ہے کہ اس امت محمد یہ میں بہت سارے صالحاء گزرے ہیں یہ بھی نعوذ بالله جھوٹ ہے۔

جناب شیخ صاحب! کیا کوئی تخلصنا اور صالح شعر شخص آپکے ان معنوں کو قبول کر سکتا ہے؟ جناب ”مع“ کے معنی صرف ساتھ کے ہی نہیں بلکہ شمولیت کے بھی ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سورہ آل عمران آیت ۱۹۳ میں مومنوں کو یہ دعا سکھلاتا ہے وَتَوَفَّنَا مَعَ الْأَبْرَارِ۔ اے اللہ ہم کو اب ار کیسا تھا موت دے اور ہر مومن اسکے یہی معنی کرتا ہے کہ اے اللہ مجھے ابرا میں شامل فرمایا کرموت دے۔ یہ معنی کوئی نہیں کرتا کہ اے اللہ جس دن کوئی نیک آدمی مرے اُسی دن مجھے بھی مار دینا۔ سورہ الحجر آیت ۳۳ میں آتا ہے ”قَالَ يَٰٰلِ إِلِيلِيُّسْ مَالَكَ أَلَا تَكُونَ مَعَ السَّاجِدِينَ“ فرمایا اے ابلیس! تو کیوں سجدہ کرنیوالوں کیسا تھا نہیں ہوا۔ مگر سورہ الاعراف آیت ۱۲ میں آتا ہے ”لَمْ يَكُنْ مِّنَ السَّاجِدِينَ“ ابلیس سجدہ کرنیوالوں میں شامل نہ ہوا۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ”مع“ قرآن مجید میں ”من“ کے معنوں میں بھی استعمال ہوتا ہے۔

آگے آپ لکھتے ہیں: ”پھر آپ إِنَّ اللَّهَ مَعَ الصَّابِرِينَ کے کیا معنی کریں گے؟“ بلاشبہ اللہ تعالیٰ اس دنیا میں بھی صابرلوں کیسا تھا ہے۔ اللہ تعالیٰ چونکہ شکل و صورت سے پاک

اور ماوراء ہے۔ وہ ایک نور ہے اور ”اعلیٰ انہتائی بھہ گیر حق“، ہے اور وہ ہر جگہ موجود ہے۔ جناب شیخ صاحب! جب اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام میں لفظ ”مع“، کو ساتھ کے علاوہ ”من“ کے معنوں میں بھی استعمال فرمایا ہے تو پھر متذکرہ بالاسورہ النساء کی آیت ۷۰ کے مضمون میں اور اللہ تعالیٰ کے صابر و کیساتھ ہونے میں آپ کو کیا شک ہے؟ آپ لکھتے ہیں؟ ”اوْ مَرِيدٌ اسْ حَدِيثَ كَيَا تَشْرِعَ كَرِيْنَ گے؟ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ التَّاجِرُ الصَّدُوقُ الْأَمِينُ مَعَ النَّبِيِّينَ وَالصَّدِيقِينَ وَالشَّهِدَاءَ۔ ترجمہ، آپ نے فرمایا کہ سچا تاجر اماندار (قیامت کے دن) نبیوں، صدیقوں اور شہداء کیساتھ ہو گا۔ اب اگر آپ کے معنی لیے جائیں تو ہر سچا اور ایماندار تاجر نبی ہو گا، کتنے نبی دکھانکتے ہیں آپ؟“

جناب آپ نے اس حدیث کا کوئی حوالہ نہیں دیا۔ دوسرے اس حدیث اور سورہ النساء کی آیت ۷۰ کے مضمون میں بڑا واضح فرق ہے۔ اور میں اور لکھ چکا ہوں کہ کلام اللہ میں لفظ ”مع“، بعض اوقات ”ساتھ“ کے معنوں میں استعمال ہوا ہے اور بعض اوقات ”من“، یعنی میں کے معنوں میں۔ اگر آنحضرت ﷺ اس طرح فرماتے کہ التاجر الصدوّق الامّين مع الذّيْنَ انْعَمَ اللّهُ عَلَيْهِمْ مِنَ النَّبِيِّينَ وَالصَّدِيقِينَ وَالشَّهِدَاءَ تو پھر یقیناً آنحضرت ﷺ کی مراد رتبہ ہوتی کہ سچا اور اماندار تاجر نبیوں، صدیقوں اور شہداء میں شامل ہو گا۔ لیکن آنحضرت ﷺ نے تو یہ فرمایا ہی نہیں بلکہ آپ ﷺ نے جس طرح حدیث بیان فرمائی ہے، اس میں انعم اللہ علیہم یعنی رتبہ کا ذکر ہی نہیں بلکہ منعم علیہ گروہ کے ساتھ ہونے کا ذکر ہے۔

جناب شیخ صاحب! آپ نے حضرت اُم المؤمنین عائشہ صدیقہؓ کی بیان فرمودہ حدیث پر جو یہ اعتراض کیا ہے کہ یہ بے سند ہے تو اس ضمن میں عرض ہے کہ شیخ الامام حضرت ابن قتیبیہ (متوفی ۷۲۶ھ)، مشہور امام اہل سنت ملا علی قاریؓ اور حضرت شاہ ولی اللہ مجدد و محدث دہلویؓ کے مقابلہ میں آپ کے علم اور فتویٰ کی کیا حیثیت ہے؟ یہ سب بزرگ جنہوں نے حضرت عائشہؓ کی اس روایت کو اپنی کتابوں میں نقل فرمایا ہے آپ سے زیادہ بہتر جانتے تھے کہ یہ حدیث سند یافتہ ہے یا کہ بے سند یا اس حدیث کی اہمیت اُمت مسلمہ میں کیا ہے؟ مجمع الجمار کے جو ادھورے حوالے کے متعلق آپ نے لکھا ہے تو اس سلسلہ میں عرض ہے کہ جناب شیخ صاحب! مجمع الجمار کے مصنف جناب حضرت امام محمد طاہرؒ (متوفی ۷۸۱ھ) کے پاؤں کی آپ خاک بھی نہیں ہو۔ آپ کیا ان پر اعتراض کر رہے ہیں؟ حضرت امام محمد طاہرؒ حضرت عائشہؓ کے ارشاد کی تشریح فرماتے ہوئے مجمع الجمار میں لکھتے ہیں۔ ”هذا ناظر الى نزول عيسى وهذا ايضا لا ينافي حديث لانبي بعدى لانه اراد لانبي بنسخ شرعاً۔“ (تمملہ مجمع الجمار صفحہ ۸۵) ترجمہ حضرت عائشہؓ کا یہ قول اس بناء پر ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام نے بحیثیت نبی نازل ہونا ہے اور یہ قول حدیث لانبی بعدی کے خلاف بھی نہیں کیونکہ آنحضرت ﷺ کی مراد اس قول سے یہ ہے کہ آپ ﷺ کے بعد ایسا نبی نہیں ہو گا جو آپ ﷺ کی شریعت کو منسوخ کرے۔

حضرت امام محمد طاہرؒ کے اس حوالہ سے درج ذیل دو باتیں ثابت ہوتی ہیں۔

(۱) لانبی بعدی سے مراد یہ ہے کہ آپ ﷺ کے بعد آپ کی شریعت کو منسوخ کرنیوالا کوئی نبی نہیں آ سکتا۔ ہاں غلام یا اُمتی نبوت جس کی اللہ اور رسول ﷺ کی پیروی میں قرآن پاک بشارت دے رہا ہے، وہ جاری و ساری ہے۔

(۲) یہ بھی درست ہے کہ حضرت عائشہؓ کا یہ قول اس بناء پر ہے کہ عیسیٰ نے بحیثیت نبی نازل ہونا ہے۔ یہاں نازل ہونے سے مراد قطعاً نبی ہے کہ کسی نے آسمان سے نازل ہونا ہے کیونکہ آسمان پر کوئی گیا ہی نہیں ہے۔ قرآن پاک اس حیات عیسیٰ کے باطل عقیدہ کی فنی فرمارہا ہے۔ اور اس طرح اس عیسیٰ سے مراد یقیناً کوئی اُمتی مشیل عیسیٰ ہے۔ اور یہی حضرت مرزا صاحبؒ کا عقیدہ اور دعویٰ ہے کہ آپ ﷺ کے عیسیٰ اور غلام یا اُمتی نبی ہیں۔ اس میں مخالفوں کو سخن پاہونے کی کیا ضرورت ہے؟

جب تک کسی حدیث کے بے سند ہونے کا تعلق ہے تو یاد رہے کہ کوئی حدیث خواہ کتنی ہی متو اتر ہو، اگر اس کا مضمون کلام اللہ کے مخالف ہے تو ایسی حدیث رد ہونے کے لائق ہے۔ برخلاف اسکے اگر کوئی حدیث غیر متو اتر تر بھی ہو لیکن اسکا مضمون کلام اللہ کے مطابق ہو تو شیخ صاحب ایسی حدیث کو قبول کرنا چاہیے۔ میرے سوال کے جواب میں آپ نے یہ اعتراض کیا ہے کہ ان احادیث شریف کے حوالوں کا جنہیں میں نے اپنے مضمون میں قلم بند کیا ہے کیا حضرت مرزا صاحبؒ کو علم نہیں تھا؟ جناب شیخ صاحب، ان احادیث کا حضرت مرزا صاحبؒ کو بخوبی علم تھا لیکن اسکے باوجود آپ نے اپنی غلام یا اُمتی نبوت کا محل کراظہ ہار ۱۹۰۴ء میں کیا۔ اسکی وجہ میں اپنے سابقہ مضمون میں بیان کر چکا ہوں۔ اگر آپ کو یاد نہیں رہی یا اگر آپ کا حافظہ کمزور ہے تو میں کیا کروں؟ میں نے لکھا تھا کہ نبی اور رسول بھی بشر اور انسان ہوتا ہے۔ اُس کو اتنا ہی علم حاصل ہوتا ہے جتنا اللہ تعالیٰ اُسے دیتا ہے۔ دوسری بات یہ کہ اللہ تعالیٰ کا انتہائی قرب پانے والے یا لوگ دعاویٰ کے معاملہ میں بہت حساس ہوتے ہیں اور بہت احتیاط بر تھے ہیں۔ جب تک ان کو کسی بات کا قطعی طور پر علم نہیں ہو جاتا بلکہ میں تو یہ بھی کہوں گا کہ کسی بات کا قطعی علم ہو جانے کے بعد بھی کافی عرصہ تک یا لوگ کرنفسی کی بدولت دعویٰ کرنے سے گریز کرتے ہیں تو اتفکیل اُنمیں جب اللہ تعالیٰ کی نار اضگلی کا ذر پیدا ہو جاتا ہے تو پھر یہ لوگوں کے آگے شیر کی طرح ڈنکے کی چوٹ پر اُس رحمت خداوندی کا جو انکے شامل حال ہوئی ہوتی ہے، کا اعلان کر دیتے ہیں۔

میرے پیارے آقا حضرت مرزاصاحب کا بھی یہی حال تھا۔

خاتم النبین کے لغوی معانی جو آپ نے لکھے ہیں، ان معانی سے وہ تمام علمائے ربانی واقف تھے جنہوں نے خاتم النبین کی یہ تشریع کی ہے کہ اس سے مراد صرف تشریعی نبوت کا انقطاع ہے نہ کہ اُمتی یا غیر تشریعی نبوت کا اور ان معانی سے حضرت مرزاصاحبؒ بھی آگاہ تھے۔ یہ بات کلیتہ درست ہے کہ آنحضرت ﷺ پر ایک کامل شریعت نازل ہو چکی ہے اور اب آپ ﷺ کے بعد کسی نبی کا آنا محال ہے۔ چونکہ اللہ تعالیٰ ازل سے ابد تک کا علم رکھتا ہے اور جانتا تھا کہ آنحضرت ﷺ کے بعد بعض متکبر اور نفسانی لوگوں نے خاتم النبین کی آڑ میں نبوت ایسی اعلیٰ نعمت کا انکار کرنا تھا لہذا اگرچہ آنحضرت ﷺ کے بعد کسی نبی کی بظاہر ضرورت نہیں تھی لیکن پھر بھی اللہ تعالیٰ نے اس جھوٹے عقیدہ ختم نبوت کو جھلانے کیلئے آپ ﷺ کے بعد ایک اُمتی یا غلام نبی بھیجا ہے اور آنحضرت ﷺ کے بعد آپ کی پیروی میں ایک نبی کے آئینی یہی حکمت ہے۔ بالکل اسی طرح یہ بات بھی درست ہے کہ حضرت مرزاغلام احمد مہدی مہدو مسح موعودؒ نے دین اسلام کی ایسی تجدید اور اصلاح کی کہ اب آپ کے بعد بظاہر کسی مجدد اور مصلح کی کوئی ضرورت نہیں تھی لیکن چونکہ اللہ تعالیٰ کو علم تھا کہ آپؒ کے بعد آپ کی جماعت میں کچھ لوگوں نے اپنے ذاتی مفادات کو تحفظ دینے کی خاطر یہ جھوٹا عقیدہ گھٹرنا تھا کہ اب حضرت امام مہدی مسح موعودؒ کے بعد خلیفہ کے ہوتے ہوئے نہ کسی مجدد کی ضرورت ہے اور نہ کسی مجدد نے آنا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس باطل عقیدہ کو جھلانے کیلئے حضورؐ کی زندگی میں ہی آپ کو ایک زکی غلام کی بشارت بخشی جسے آپ نے مصلح موعود کا نام دیا۔

آپ نے ایک اعتراض یہ بھی کیا ہے کہ خاکسار نے سورہ فاتحہ کی آخری آیت کو ادھور اغفل کیا ہے اور آپ لکھتے ہیں کہ ادھوری آیت کے معنی بھی ادھورے ہوتے ہیں۔ جناب من! میں کم از کم سورہ فاتحہ کی آخری آیت کے متعلق آپ کے اس استدلال سے اتفاق نہیں کرتا۔ آیت اس طرح ہے۔ صَرَّاطُ الَّذِينَ أَنْعَمْتُ عَلَيْهِمْ غَيْرُ الْمَغْصُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الْأَضَالِّينَ۔ ترجمہ۔ راہ ان لوگوں کی جن پر تو نے انعام کیا اسکی جن پر غصب کیا گیا اور نہ گمراہوں کی۔ (ترجمہ تفسیر ابن کثیر) اس سے پہلی آیت میں حس بہادیت کی دُعا کی گئی ہے وہ یہ ہے کہ اے اللہ تعالیٰ ہمیں منعم علیہ گروہ یعنی انعام یافتہ گروہ میں شامل ہونے کی توفیق بخشنا اور مغضوب علیہ گروہ اور ضالیں کی راہ پر قدم مارنے سے بچانا۔ جناب شیخ صاحب! آپ مجھے بتائیں کہ ترجمہ میں کیا فرق پڑا ہے؟ اور انعام یافتہ کوون ہیں؟ حضرت حافظ ابن کثیر اپنی تفسیر میں فرماتے ہیں۔ ”اور جن پر اللہ کا انعام ہوا ان کا بیان سورہ نساء میں آپکا ہے فرمان ہے وَمَنْ يُطِعَ اللَّهَ وَالَّلَّهُ سُولَ فَأُولَئِكَ مَعَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ إِلَّا لِيَعْنِي اللَّهُ اور اس رسول ﷺ کے کہہ پُر عمل کرنے والے اُنکے ساتھ ہونگے جن پر اللہ کا انعام ہے جو نبی، صدیق، شہید، صالح لوگ ہیں، یہ بہترین ساختی اور اچھے رفیق ہیں۔“ (تفسیر ابن کثیر جلد ا صفحہ ۵۵)

شیخ صاحب! ساختہ ہونے سے مراد ”میں شامل“ ہونے کے ہیں جسکی وضاحت پہلے ہو چکی ہے، دوبارہ اعادہ کی ضرورت نہیں۔

مغضوب علیہم اور ضالیں کون ہیں؟ جب صحابہؓ نے آنحضرت ﷺ سے یہ سوال پوچھا تو آپ ﷺ نے جواب فرمایا کہ یہود اور نصاری۔ اسی طرح آپ ﷺ نے فرمایا کہ خدا کی قسم! جس طرح جو تی سے ملتی ہے اسی طرح میری قوم کے لوگ ایک دن ان پہلی قوموں کے نقش قدم پر چلیں گے (ترمذی) اسی طرح حضرت ابن کثیر مغضوب علیہم اور ضالیں کے متعلق فرماتے ہیں۔

”یہود یوں کے ہاں علم نہیں اور نصاری کے ہاں علم نہیں اسی لئے یہود یوں پر غصب ہوا اور نصرانیوں کو گمراہی ملی۔ اسلئے کہ علم کے باوجود عمل کو چھوڑنا غصب کا سبب ہے اور نصرانی گوئی ایک چیز کا قصد کرنے کے باوجود صحیح راستہ کو نہیں پاسکتے اسلئے کہ انکا طریقہ کارغلط ہے اور اتباع حق سے بڑے ہوئے ہیں یوں تو غصب اور گمراہی ان دونوں جماعتوں کے حصہ میں ہے لیکن یہودی غصب کے حصہ میں پیش پیش ہیں۔ جیسے کہ اور جگہ قرآن کریم میں ہے مَنْ لَعَنَهُ اللَّهُ وَغَضِيبٌ عَلَيْهِ اور نصرانی ضلالت میں بڑھے ہوئے ہیں۔ فرمان الٰہی ہے قُلْ ضَلُّوا مِنْ قَبْلٍ وَأَضَلُّوا كَثِيرًا وَضَلُّوا عَنْ سَوَاءِ السَّبِيلِ یعنی یہ پہلے ہی سے گمراہ ہیں اور بہتوں کو گمراہ کر بھی چکے ہیں اور سیدھی راہ سے بھٹکے ہوئے ہیں۔“ (تفسیر ابن کثیر جلد ا صفحہ ۵۶ تا ۵۵)

ایک اور جگہ آپ حضرت مرزاصاحبؒ کے یہ الفاظ اعتراض کے رنگ میں نقل کرتے ہیں۔

”شریعت کیا چیز ہے جس نے اپنی وجی کے ذریعہ سے چند امر اور نبی بیان کئے اور اپنی امت کیلئے ایک قانون مقرر کیا وہی صاحب الشریعت ہو گیا۔ پس اس تعریف کی رو سے بھی ہمارے مخالف ملزم ہیں، کیونکہ میری وجی میں امر بھی ہیں اور نبی بھی۔“

جناب شیخ صاحب! آپ نے حضرت مرزاصاحبؒ کے یہ الفاظ مغضوب کے کیلئے نقل کئے ہیں تاکہ حضورؐ کا تشریعی نبوت کا دعویٰ ثابت کیا جاسکے۔ حالانکہ یہ سراسر جھوٹ ہے۔ حضورؐ نے یہ الفاظ مخالفین کے دیگر عذر اور جو ذیل میں درج کئے جائیں گے، کو باطل ثابت کرنے کیلئے لکھے تھے نہ کہ ان الفاظ میں حضورؐ نے اپنا کوئی تشریعی نبوت کا دعویٰ کیا تھا۔ آپؒ نے اُمتی یا غلام نبوت کا دعویٰ کیا اور اس کیلئے بھی ظلی اور بروزی ایسی اصطلاحیں استعمال کیں تاکہ لوگ آپ کے دعویٰ کو کوئی مستقل نبوت یا آنحضرت ﷺ کے بال مقابل

نبوت کا دعویٰ نہ سمجھ لیں۔ لیکن بدفطرت لوگ اللہ تعالیٰ سے نذرے اور انہوں نے حضورؐ طرف وہ دعاوی منسوب کئے جو آپؐ کے وہم و مگان میں بھی نہ تھے۔ شیخ صاحب! آج آپ بھی مجھ سے نبوت کا دعویٰ منسوب کر کے وہی سفید جھوٹ بول رہے ہیں جیسا کہ پہلے حضرت مرزا صاحبؓ کے خلاف آپؐ کے مخالفوں نے بولے تھے۔

دراصل حضرت مرزا صاحبؓ نے آیت وَلَوْ تَقُولَ عَلَيْنَا سے استدلال کرتے ہوئے فرمایا کہ جھوٹا مدعاً ماموریت مجدد ہو یا محدث آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ نبوت کے برابر جو ۲۳ سال کا عرصہ ہے، دعویٰ کرنے کے بعد زندہ نہیں رہ سکتا۔ مخالفین کی طرف سے اس استدلال پر چند اعتراضات کئے گئے۔ پہلا اعتراض یہ تھا کہ اس آیت سے تو صرف تشریعی نبوت کے جھوٹے دعویدار کا ہلاک ہونا اور ۲۳ سال کا زمانہ حیات نہ پانا ثابت ہے نہ کہ ہر مدعاً وحی والہام کا۔ چونکہ آپؐ مدعاً مجددیت اور محدثیت ہیں اسلئے آپؐ کے دعویٰ پر اس آیت سے استدلال نہیں کیا جا سکتا۔ آپؐ نے مخالفین کے اس اعتراض کو رد کرتے ہوئے فرمایا کہ محض فضول اور کوتاه اندیشانہ خیال ہے۔ اول اس واسطے کہ اس آیت میں صاحب شریعت کی کوئی قید نہیں۔ آپؐ فرماتے ہیں کہ میرے نزد یک وہ تشریعی نبوت کا مدعاً ہو یا وحی ولایت کا، جھوٹا ہونے کی حالت میں ۲۳ سال کا عرصہ ہرگز نہیں پاسکتا بلکہ اس سے پہلے ہی وَلَوْ تَقُولَ عَلَيْنَا کے مطابق اُسکی قطع و تین ہو جائے گی۔ دوسرا اعتراض یہ تھا کہ اُوامر و نواہی تو صرف تشریعی آنیباء کی وحی میں ہی ہوتے ہیں۔ حضورؐ نے جواب فرمایا کہ یہ بھی غلط ہے کیونکہ اُوامر و نواہی نہ صرف آنیباء کی وحی میں ہی ہوا کرتے ہیں بلکہ وحی ولایت میں بھی ہو سکتے ہیں جیسا کہ حضرت اُم موسیٰ کی وحی میں موجود ہیں۔ اس طرح ثابت ہوتا ہے کہ یہ بات تشریعی نبوت کی خصوصیات میں سے نہیں ہے بلکہ یہ اُوامر و نواہی تو صاحبہ کرامؐ اور اولیاء عظامؐ کے الہامات میں بھی پائے جاتے ہیں۔ تیسرا اعتراض یہ کیا گیا تھا کہ وَلَوْ تَقُولَ عَلَيْنَا کے تحت شریعت جدیدہ لانے والا ہی جھوٹا مدعاً ہلاک ہوتا ہے اور شریعت جدیدہ وہ ہوتی ہے جس میں بالکل نئے احکام ہوں تو حضورؐ نے اسکے جواب میں فرمایا کہ اس خیال سے تو پھر قرآن شریف کو بھی شریعت جدیدہ کہنے سے ہاتھ دھونے پڑیں گے کیونکہ اس میں بھی بعض احکام وہی ہیں جو پہلی شریعون میں تھے۔ چوتھا اعتراض یہ تھا کہ شریعت سے مراد وہ ہے جس میں باستینفاء اُمر اور نبی کا ذکر ہوا اور اس کا مدعاً ہی اگر اللہ تعالیٰ پر افتقاء کرے گا تو ہلاک ہو گا ورنہ نہیں۔ تو حضورؐ نے جواب فرمایا کہ یہ بھی غلط ہے کیونکہ اس صورت میں سنت، حدیث اور اجتہاد کی قطعاً کوئی گنجائش نہ رہے گی۔ حضورؐ نے فرمایا کہ ”غرض یہ سب خیالات فضول اور کوتاه اندیشیاں ہیں۔“ (روحانی خزانہ جلد ۱ صفحہ ۳۳۶) امر واقع یہ ہے کہ نہ جھوٹا دعویٰ کر کے ہلاک ہونے کیلئے تشریعی نبوت کی شرط ہے اور نہ صرف تشریعی نبی کی وحی میں ہی اُوامر و نواہی ہوتے ہیں بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد مجدد دینؐ اور اولیاء کرامؐ کے الہامات میں بھی اُوامر و نواہی ہوتے ہیں جیسا کہ اُنکی کتابوں میں لکھے موجود ہیں۔ یہ تھے مخالفین کے بیجا اور جھوٹے اعتراضات، جو آپؐ نے دلائل کیسا تھرڈ کئے۔ بالآخر میں قارئین سے درخواست کروں گا کہ وہ حضورؐ کے رسائلِ اربعین نمبر ۳ اور اربعین نمبر ۲ کو (روحانی خزانہ جلد ۱ صفحہ ۳۸۶ سے ۲۸۲ تک) شروع سے لے کر آخر تک پڑھیں تاکہ حضورؐ کے مذکورہ بالا الفاظ کی حقیقت کا انہیں پتہ چلے۔

### پیشگوئی مصالح موعود اور اس کا ثبوت!

خدائے رحیم و کریم بزرگ و برتر نے جو ہر ایک چیز پر قادر ہے (جل شانہ و عز اسمہ) مجھ کو اپنے الہام سے مخاطب کر کے فرمایا کہ:-

”میں تجھے ایک رحمت کا نشان دیتا ہوں اُسی کے موافق جو تو نے مجھ سے ماں گا۔ سو میں نے تیری تصریحات کو سنا اور تیری دعاویں کو اپنی رحمت سے پاپیہ قبولیت جلگہ دی۔ اور تیرے سفر کو (جو ہوشیار پورا اور لودھیانہ کا سفر ہے) تیرے لیے مبارک کر دیا۔ سو قدرت اور رحمت اور قربت کا نشان تجھے دیا جاتا ہے۔ فضل اور احسان کا نشان تجھے عطا ہوتا ہے اور **فتح اور ظفر کی کلید** تجھے ملتی ہے۔ اے مظفر! تجھ پر سلام۔ خدا نے یہ کہا۔ تا وہ جو زندگی کے خواہاں ہیں۔ موت کے پنجھ سے نجات پاویں۔ اور وہ جو قبروں میں دبے پڑے ہیں باہر آؤیں۔ اور تادین اسلام کا شرف اور کلام اللہ کا مرتبہ لوگوں پر ظاہر ہو۔ اور تا حق اپنی تمام برکتوں کیسا تھا آجائے اور باطل اپنی تمام خوستوں کیسا تھا بھاگ جائے۔ اور تا لوگ سمجھیں کہ میں قادر ہوں۔ جو چاہتا ہوں کرتا ہوں۔ اور تا وہ یقین لا سکیں۔ کہ میں تیرے ساتھ ہوں۔ اور تا انہیں جو خدا کے وجود پر ایمان نہیں لاتے۔ اور خدا کے دین اور اُسکی کتاب اور اُس کے پاک رسول محمد مصطفیٰ کو انکار اور تکذیب کی زگاہ سے دیکھتے ہیں۔ ایک کھلی نشانی ملے اور مجرموں کی راہ ظاہر ہو جائے۔

سو تجھے بشارت ہو۔ کہ ایک وجیہہ اور پاک لڑکا تجھے دیا جائے گا۔ ایک زکی غلام (لڑکا) تجھے ملے گا۔ وہ لڑکا تیرے ہی تھم سے تیری ہی ذریت نسل ہو گا۔ خوبصورت پاک لڑکا تمہارا مہماں آتا ہے۔ اُس کا نام عنموائیل اور بشیر بھی ہے۔ اس کو مقدس روح دی گئی ہے۔ اور وہ رجس سے پاک ہے۔ وہ نور اللہ ہے۔ مبارک وہ جو آسان سے آتا ہے۔ اُسکے ساتھ فضل ہے۔ جو اُسکے آنے کے ساتھ آیا گا۔ وہ صاحب شکوہ اور عظمت اور دولت ہو گا۔ وہ دُنیا میں آئے گا اور اپنے مسیحی نفس اور رُوح الحق کی برکت سے بہتوں کو بیماریوں سے صاف کرے گا۔ وہ کلمۃ اللہ ہے۔ کیونکہ خدا کی رحمت وغیری نے اُسے کلمہ تجدید سے بھیجا ہے۔ وہ سخت ذہین و فہیم ہو گا۔ اور دل کا حلیم۔ اور علوم ظاہری و باطنی سے پر کیا جائے گا۔ اور وہ تین کو چار کرنے والا ہو گا۔ (اسکے معنی سمجھ میں نہیں آئے) دو شنبہ ہے مبارک دو شنبہ۔ فرزندِ بعدگرامی ارجمند۔ **مظہرُ الْأَوَّلِ وَالآخِرِ۔ مظہرُ الْحَقِّ وَالْعَلَّاءِ كَانَ**

**اللَّهُ نَزَّلَ مِنَ السَّمَاءِ**۔ جس کا نزول بہت مبارک اور جلال الٰہی کے ظہور کا موجب ہوگا۔ نور آتا ہے نور۔ جس کو خدا نے اپنی رضا مندی کے عطر سے مسح کیا۔ ہم اس میں اپنی روح ڈالیں گے۔ اور خدا کا سایہ اس کے سر پر ہوگا۔ وہ جلد جلد بڑھے گا۔ اور اسریروں کی رستگاری کا موجب ہوگا۔ اور زمین کے کناروں تک شہرت پائے گا۔ اور قومیں اس سے برکت پائیں گی۔ تب اپنے نفسی نقطہ آسمان کی طرف اٹھایا جائے گا۔ وَ كَانَ أَمْرًا مَقْضِيًّا۔ ”(اشتہار ۲۰ رفروری ۱۸۸۴ء، حوالہ مجموعہ اشتہارات جلد اول صفحہ ۱۰۰ تا ۱۰۲)

پیشگوئی زکی غلام مسیح الزماں (مصلح موعود) اور اسکے ثبوت کے متعلق کچھ لکھنے سے قبل پیشگوئیوں کے اغراض و مقاصد کے متعلق کچھ عرض کرتا ہوں۔ (اولاً)۔ پیشگوئیاں یُضَلِّلُ إِلَّا گَشِيرًا وَ يَهْدِي إِلَى گَشِيرًا کا مصدق ہوتی ہیں۔ لہذا نکے سلسلہ میں بہت احتیاط اور فکر کی ضرورت ہوتی ہے کیونکہ ان میں اللہ تعالیٰ کو خلق اللہ کی آزمائش منظور ہوتی ہے۔ (ثانیاً)۔ پیشگوئی کا کوئی قطعی ایک پہلو نہیں ہوتا بلکہ کسی جگہ ظاہری رنگ میں اور کسی جگہ استعارہ کے رنگ میں پوری ہوتی ہے۔ (ثالثاً)۔ صوم و صلوٰۃ کی طرح پیشگوئی کو ایک حقیقت مکثفہ سمجھنا بڑی بھاری غلطی ہے۔

جناب شیخ صاحب! توریت (یسعیاہ باب ۷ آیت ۱۳) میں لکھا ہے۔۔۔

(۱) ”لیکن خداوند آپ تم کو ایک نشان بخشے گا۔ دیکھو ایک کنواری حاملہ ہو گی اور بیٹا پیدا ہو گا اور وہ اسکا نام عمانتا میں رکھے گی۔“

آج سے دو ہزار سال قبل جب ایک بچہ داؤ دی کی نسل سے ایک لڑکی مریم کے ہاں پیدا ہوا تو یسعیاہ کی یہ پیشگوئی پوری ہو گئی تھی۔ لیکن آپ جانتے ہیں کہ اس وقت کے یہودیوں نے موعود حضرت مریم ”کون عوذ باللہ بد کار قرار دیا اور اسکے موعود بیٹے کو نعوذ باللہ ولد الحرام قرار دیا۔“ شیخ صاحب مجھے لیکن ہے کہ اگر آپ بھی اس وقت ہوتے تو مریم ”اور اسکے موعود بیٹے کے بارے میں آپ کا بھی وہی فتویٰ ہوتا جو اس وقت کے یہودیوں کا تھا۔ یہ تو دو ہزار سال پہلے کی بات تھی لیکن اگر آج بھی آپ کے ماحول میں ایسا واقعہ ہو جائے تو بھی آپ کافتوئی دو ہزار سال پہلے یہودیوں ایسا ہو گا۔ آج آپ بھی پیشگوئی مصلح موعود اور اسکے بیان فرمانے والے کے متعلق بڑھ کر با تین کر ہے ہیں۔ اگر یہ پیشگوئی نعوذ باللہ جھوٹی ہے تو آپ کو کوئی نہیں پوچھتے گا اور نہ آپ کا کوئی نقصان ہوا ہے بلکہ پیشگوئی بیان فرمانے والے سے پوچھ چکھ ہو گی۔ لیکن اگر یہ پیشگوئی صحیح ہے، جیسا کہ میرے دعویٰ کے ثبوت سے ظاہر ہے اور اس کا بیان فرمانے والا بھی وہی انجام مجھے نظر آ رہا ہے جو کہ دو ہزار سال قبل حضرت مسیح ابن مریم ”کے انکار کرنے والوں کا تھا۔

توریت (میکاہ باب ۵ آیت ۲) میں لکھا ہے۔۔۔

(۲) ”لیکن اے بیت الحرام اگرچہ تو یہوداہ کے ہزاروں میں شامل ہونے کیلئے چھوٹا ہے تو بھی تجھ میں سے ایک شخص نکلے گا اور میرے حضور اسرائیل کا حاکم ہو گا اور اسکا مصدر زمانہ سابق ہاں قدیم الایام سے ہے۔“

جناب یہ پیشگوئی بھی موسوی مریم کے بیٹے کے متعلق تھی۔ میرا آپ سے سوال ہے کہ کیا یہ پیشگوئی اپنے الفاظ کے مطابق پوری ہوئی؟ کیا مریم کا بیٹا اپنے وقت میں بنی اسرائیل کا حاکم ہوا؟ اب آپ کے ظاہری الفاظ والے فاسفہ کے مطابق تو یہ پیشگوئی بھی پوری نہ ہوئی۔ حالانکہ قرآن مجید کے مطابق حضرت مریم صدیقہ اور مومنہ تھیں اور آپ کا بیٹا بنی اسرائیل کی طرف بھیجا گیا بنی اور رسول تھا۔ اب کیا قرآن فیصلہ کے مطابق اس وقت کے تمام یہودی چند حواریوں کے سوا اس پیشگوئی کی وجہ سے جہنم رسید نہیں ہوئے؟ جناب شیخ صاحب! آج آپ بھی وہی کام کرتے ہوئے پیشگوئی مصلح موعود کے الفاظ پر سخت پنجہمار ہے ہیں۔ مجھے آپ کی فکر ہے۔

اب توریت کی ایک اور پیشگوئی کی طرف آتھوں جو اس طرح بیان کی گئی ہے۔۔۔

(۳) ”خداوند تیراخدا تیرے لئے تیرے ہی درمیان سے یعنی تیرے ہی بھائیوں میں سے میری مانند ایک نبی برپا کریا۔ تم اسکی سننا۔۔۔ میں اُنکے لئے اُن ہی کے بھائیوں میں سے تیری مانند ایک نبی برپا کر دیگا اور اپنا کام اُسکے مند میں ڈالوں گا اور جو بچھ میں اُسے حکم دوں گا، ہی وہ اُن سے کہے گا۔“ (استثناب باب ۱۸ آیات ۱۵ اور ۱۸)

سب جانتے ہیں کہ یہ پیشگوئی آنحضرت ﷺ کی بعثت کے بارے میں ہے۔ پیشگوئی کے ظاہری الفاظ کے مطابق تو مثیل موسیٰ بنی اسرائیل میں میں سے ہی ہونا چاہیے تھا کیونکہ لکھا ہے ”تیرے ہی درمیان سے یعنی تیرے ہی بھائیوں میں سے“۔ اب آپ بتائیں کہ کیا آنحضرت ﷺ بنی اسرائیل میں سے تھے؟ نہیں بلکہ آپ ﷺ بنی اسرائیل میں سے تھے۔ ”اب اس بات کا قطعی اور بدیہی طور پر کیوں فیصلہ ہو کے بنی اسرائیل کے بھائیوں میں سے مراد فقط بنی اسرائیل میں ہے۔“ تیرے ہی درمیان سے لکھا ہے۔ عبارت کو مشتبہ کرتا ہے۔ اور گوہم لوگ بہت سے دلائل اور قرآن کو ایک جگہ جمع کر کے اور آنحضرت ﷺ اور حضرت موسیٰ میں جو مثالیت ہے پاپیہ ثبوت پہنچا کر ایک حق کے طالب کیلئے نظری طور پر یہ بات ثابت کر دکھاتے ہیں کہ درحقیقت اس جگہ پیشگوئی کا مصدق ابجوہ ہمارے نبی ﷺ کے اور کوئی شخص نہیں۔ لیکن یہ پیشگوئی ایسی صاف اور بدیہی تو نہیں کہ ہر ایک اجنبی اور حمق کو اسکے ذریعہ سے ہم قائل کر سکیں بلکہ اسکا سمجھنا بھی پوری عقل کا محتاج ہے اور پھر سمجھنا بھی پوری عقل کا محتاج۔“ (ازالہ اوہام۔ روحانی خزان)

جناب شیخ صاحب! اب آپ کے ظاہری الفاظ کا کیا کریں؟ اب آپ جس قاعدہ اور کالیے کے مطابق پیشگوئی مصلح موعود کے متعلق میرا دعویٰ جھثا رہے ہیں، کیا آپ توریت کی اس پیشگوئی کے مطابق آنحضرت ﷺ کے دعویٰ کو بھی جھٹلا دیں گے کیونکہ آپ ﷺ بن اسرائیل میں سے نہیں تھے؟ یہاں آپ کی الفاظ پرستی کہاں جائے گی؟ اب اگر اللہ تعالیٰ کو اپنی مخلوق کی آزمائش اور ابتلاء منظور نہ ہوتا تو پھر اللہ تعالیٰ کو اس طرح بیان کرنا چاہیے تھا کہ، اے موی! میں تیرے بعد بائیسیوں صدی میں ملک عرب میں بنی اسماعیل کی نسل سے ایک نبی برپا کروزگا جس کا نام نبی محمد ﷺ ہوا گا اور اُسکے باپ کا نام عبداللہ اور دادا کا نام عبدالمطلب اور والدہ کا نام آمنہ ہو گا اور وہ شہر مکہ میں پیدا ہو گے اور اُنکا حلیہ یہ ہو گا۔ اب ظاہر ہے کہ اگر کوئی اُسی پیشگوئی توریت میں ہوتی تو کوئی بھی اعتراض نہ کرتا اور تمام شریروں کے ہاتھ پاؤں باندھ دیجے جاتے لیکن اللہ تعالیٰ نے ایسا نہیں کیا۔ اب سوال یہ ہے کہ کیا اللہ تعالیٰ ایسا کرنے پر قادر نہیں تھا؟ جواب ہے کہ بلاشبہ قادر تھا بلکہ اگر چاہتا تو اس سے بھی بڑھ کر ایسے صاف صاف اور کھلے کھلے نشان لکھ دیتا کہ سب گردین ان کی طرف جھک جاتیں اور دنیا میں کوئی منکر نہ رہتا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اس تصریح اور توثیق سے لکھنا پسند نہیں کیا کہ ہمیشہ پیشگوئیوں میں اُسے ایک قسم کا ابتلاء منظور ہوتا ہے تا سمجھنے والے اور حق کے سچے طالب اُس کو سمجھ لیں اور جن کے نفوس میں نخوت اور تکبر اور جلد بازی اور ظاہر بینی ہوتی ہے وہ اُسکے قبول کرنے سے محروم رہ جائیں۔ پیشگوئیوں کے سلسلہ میں حضور نے یہ نصیحت فرمائی ہے۔

”یہ بات نہایت کارآمد اور یاد رکھنے کے لائق تھی کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کے مامور ہو کرتے ہیں خواہ وہ رسول ہوں یا نبی یا محدث اور مجدد۔ اُنکی نسبت جو پہلی کتابوں میں یا رسولوں کی معرفت پیشگوئیاں کی جاتی ہیں اُنکے دو حصے ہوتے ہیں۔ ایک وہ علامات جو ظاہری طور پر وقوع میں آتی ہیں اور ایک متشاہدات جو استعارات اور مجازات کے رنگ میں ہوتی ہیں۔ پس جنکے دلوں میں زیغ اور کجھی ہوتی ہے وہ متشاہدات کی پیروی کرتے ہیں اور طالب صادق بیانات اور حکمات سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ یہود اور عیسائیوں کو یہ ابتلاء پیش آچکے ہیں۔ اپنے مسلمانوں کے اولو الابصار کو چاہیے کہ ان سے عبرت پکڑیں اور صرف متشاہدات پر نظر رکھ رکنڈیب میں جلدی نہ کریں اور جو باتیں خدا تعالیٰ کی طرف سے کھل جائیں ان سے اپنی بدایت کیلئے فائدہ اٹھائیں۔“ (ملفوظات جلد ۶ صفحہ ۲۰۵)

جناب شیخ صاحب! آپ نے ظاہر پرستی اور الفاظ پرستی کا جو پیمانہ پیشگوئی مصلح موعود میں اختیار کیا ہے۔ اس پیمانہ کی رو سے تو سارے موعودین جھوٹے ٹھہر جائیں گے۔ آپ عقل اور خشیت الہی سے کیوں کام نہیں لیتے؟ اب میں ۲۰۰۰ء کی الہامی پیشگوئی (سلسلہ غلام مسیح الزماں یا مصلح موعود) کی حقیقت یا ”نیک خدا ہے“ کے متعلق کچھ عرض کرتا ہوں۔ جیسا کہ الفاظ سے ظاہر ہے کہ میں نے یہ مضمون اپنے دعویٰ غلام مسیح الزماں کے ثبوت کے طور پر پیش کیا ہے۔ ”نیکی خدا ہے“ الحمد للہ ایک جام الہی نظریہ ہے۔ یہ مضمون پچھلے سال پاکستان میں بھی کتابی شکل میں چھپ چکا ہے۔ بہت سارے اہل علم حضرات نے انفرادی طور پر اس کتاب کے متعلق مجھے اپنی خوشنودی سے نوازا ہے۔ میں نے اس کتاب کی ایک کاپی اور اُسکے متعلق روز نامہ پاکستان کے مص Hormat نذیر حق صاحب کا تبصرہ بھی آپ کی خدمت میں بھیجا تھا۔ نذیر حق صاحب میری کتاب کے تعارف میں لکھتے ہیں۔

”نیکی خدا ہے“ عبد الغفار جنبہ کی فلسفیانہ تصنیف ہے جس میں انہوں نے نیکی کی ماہیت، نیکی علم ہے اور نیکی خدا ہے، کے تین عنوانات کے تحت بحث کے بعد اس بات کو مخوبی ثابت کیا ہے کہ ”نیکی خدا ہے“ مصنف کا کہنا ہے کہ مسلمانوں نے، مسلمان مفکرین نے قرآن حکیم کا مطالعہ یونانی فلسفہ کی روشنی میں کیا ہے حالانکہ قرآن پاک خدا تعالیٰ کی عظیم اور کامل و مکمل کتاب ہے جس میں ہر قسم کی بھلائی اور ہر قسم کا سچا فلسفہ موجود ہے۔ ضرورت اس بات کی تھی کہ یونانی اور دیگر ہر قسم کے فلسفوں کا مطالعہ قرآن حکیم کی روشنی میں کیا جاتا اور ان فلسفوں کو قرآن حکیم کی روشنی میں جانچ پر کھر علم و حکمت کے گوہ رہنے جاتے۔ مصنف نے فلسفیانہ فکر و تفکرات، متكلمین کے مختلف مکاتب فکر اور اُنکے ”فکر“ پر بھی بحث کی ہے اور ”نیکی“ کیا ہے؟ جیسے دیقیق اور مشکل سوال کا جواب دیا ہے۔ اس حوالے سے انہوں نے بعض قدیم اور غیر مسلم فلاسفہ کی رائے بھی دی ہے اور اس پر اپنے انداز میں بحث کی ہے اور ثابت کیا ہے کہ نیکی ایک ”محیط کل نور“ ہے، لامحدود ہے، اللہ ہے۔ مصنف نے جو مباحثت کئے، جو نتائج اخذ کئے اور ”نیکی خدا ہے“ کے نظریہ کو جس طرح ثابت کیا ہے وہ بہت خوب ہے لیکن ان مباحثت میں مصنف نے غالباً اعلیٰ تعلیم یافتہ لوگوں کو ذہن میں رکھ کر بات کی ہے کیونکہ ان دیقیق علمی مباحثت کو پاکستان میں لئنے والا عالم شہری جو کم علم ہے، گریزی سے محبت رکھتا ہے، شاید ہی سمجھ سکے اور جہاں تک اعلیٰ تعلیم یافتہ طبقے کا تعلق ہے تو اس کا بڑا حصہ نیکی کے بارے میں اپنے خیالات و تصورات کو ہی افضل تصور کرتا ہے۔ بہر حال یہ کتاب چونکہ فی سیمیل اللہ تقسم کی جا رہی ہے، اسے پڑھنے والے ضرور اس سے اثر قبول کریں گے اور عبد الغفار صاحب کے حق میں دعاۓ خیر کریں گے۔“ (روزنامہ پاکستان، سنڈے میگزین ”زندگی“، ۲۲ راگسٹ تا ۲۸ اگسٹ ۲۰۰۳ء)

جناب شیخ صاحب! محترم نذیر حق صاحب مجھے بالکل نہیں جانتے۔ انہوں نے میری کتاب کے تواریخ تبصرہ میں جو کچھ لکھا ہے قطعی طور پر غیر جانبدار ہو کر لکھا ہے۔ آپ نے بھی میرے اس نظریہ سے اتفاق کیا تھا۔ اس موضوع کے متعلق آپ نے بہت ساری کتابیں دنیا میں دیکھی ہو گئیں اس نظریہ میں جس رنگ میں ہستی باری تعالیٰ کا علمی اثبات کیا گیا

ہے، ایسا ثبوت آپ کو کسی دوسری کتاب میں نہیں ملے گا۔ عقلي بحث کو قرآنی آیات کا لباس پہنا کر قرآن مجید کی عظمت اور دین اسلام کی حقانیت ثابت کی گئی ہے۔ ایک وہ زمانہ تھا کہ جب بذریعہ تبلیغ مذہبی ترقی ہوتی تھی لیکن اب وہ زمانہ نہیں رہا۔ آج علمی سیف کا زمانہ ہے اور کوئی مذہب آج بذریعہ علم ہی غالب آ سکتا ہے۔ چونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام میں اپنے دین اسلام کے غلبہ کا وعدہ فرمایا ہوا ہے اور یہ وعدہ یقیناً سچا ہے۔ ممکن نہیں کہ اللہ تعالیٰ کے اس وعدہ میں تخلف ہو۔ میں یقین رکھتا ہوں کہ آج یہ غرض بطریق احسن اس الہی نظریہ میں پوری ہو چکی ہے۔ اور اس طرح ۲۰ فروری ۱۸۸۲ء کی الہامی پیشگوئی کے یہ الفاظ ”اور تادین اسلام کا شرف اور کلام اللہ کا مرتبہ لوگوں پر ظاہر ہو۔ اور تا حق اپنی تمام برکتوں کیستا تھا جائے اور باطل اپنی تمام خوستوں کیستا تھا بھاگ جائے۔ اور تا لوگ سمجھیں کہ میں قادر ہوں۔ جو چاہتا ہوں کرتا ہوں۔ اور تا وہ یقین لا سکیں۔ کہ میں تیرے ساتھ ہوں۔ اور تا انہیں جو خدا کے وجود پر ایمان نہیں لاتے۔ اور خدا کے دین اور اُسکی کتاب اور اُسکے پاک رسول محمد مصطفیٰ کو انکار اور تکذیب کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ ایک کھلی نشانی ملے اور مجرموں کی راہ ظاہر ہو جائے“، کیا پورے نہیں ہوئے؟

اب ایک اور دوسرے رُخ سے اس الہی نظریہ پر روشنی ڈالتا ہوں کہ نیکی کیا ہے؟ یہ سوال تقریباً اڑھائی ہزار سال پہلے سقراط نے اٹھایا تھا۔ لیکن سقراط اپنی زندگی میں لوگوں کی صرف اتنی راہنمائی کر سکا کہ ”نیکی علم ہے، یعنی نیکی اور علم دونوں ایک ہی حقیقت یا حق کے دو نام ہیں۔ لیکن نیکی کیا ہے؟ یعنی ”نیکی کی ماہیت“ کے متعلق وہ اپنی زندگی میں کچھ بتا نہ سکا۔ سقراط اپنے شاگرد افلاطون کی کتاب ”مینو“ کے آخر میں فرماتا ہے:-

”سقراط: میں اُسکی مدنیتیں کر سکتا۔ ہم کسی دوسرے وقت میں اُس سے بات کریں گے۔ اگر وہ سب جو ہم نے اس بحث میں کہا ہے اور سوالات جو ہم نے پوچھے ہیں، ٹھیک ہیں تو نیکی کا علم نہ تو فطری طور پر اور نہ ہی بذریعہ تعلیم حاصل کیا جاسکے گا۔ جس کسی نے بھی اسے حاصل کیا بغیر غور و فکر کے فضل الہی کے طور پر حاصل کیا۔ جیسے نہ کہ وہ ایک سیاستدان کی طرح جو اپنی طرح کا ایک اور پیدا کر سکتا ہے۔ اگر کوئی ایسا شخص ہے تو پھر اُس کو زندہ لوگوں میں ایسے مانتا پڑے گا جیسا کہ ہومر(Homer) نے کہا ہے کہ مرے ہوئے لوگوں میں ٹائرسیاں(Tiresias) اور صرف اُسی کو پہنچتا ہے کہ وہ ہے ”بجکہ دوسرے اڑتے ہوئے سائے ہیں“۔ جہاں تک نیکی کے علم کا تعلق ہے تو ایسا شخص بالکل اس جیسا ہو گا جس طرح سایوں کے درمیان ایک جسم حقیقت۔

مینو: سقراط نے یہ عمدگی کیستا تھا بیان کیا ہے۔

سقراط: ہمارے موجودہ استدلال سے پھر جس کسی نے بھی نیکی کا علم پایا اُسے یہ فضل الہی کے طور پر ملا۔ لیکن ہم اس معاملہ کی سچائی کو اُس وقت تک نہیں سمجھیں گے جب تک ہم یہ نہ پوچھیں کہ لوگوں نے نیکی کا علم کیسے حاصل کیا؟ ہم یہ دریافت کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ بذات خود نیکی کی ماہیت کیا ہے؟ (پر ڈو گور اس اور مینو، مصنف افلاطون، مترجم ڈبلیو۔ کے۔ سی۔ گودھاری صفحہ ۱۵۶ تا ۱۵۷)

مذکورہ بالا الفاظ سے دو باتیں ثابت ہوتی ہیں۔ اولاً یہ کہ ”نیکی کی ماہیت“ کا علم دراصل رحمت اور فضل الہی ہے اور اس کا حصول مساواجی اور الہام کے ممکن نہیں۔ ثانیاً یہ کہ سقراط زندگی بھر ”نیکی کی ماہیت“ پر غور و فکر کرتا رہا اور ماسوا ”نیکی علم ہے“ وہ اس پر کوئی روشنی ڈال نہ سکا۔ سقراط کوئی عام شخص نہ تھا بلکہ اپنے وقت کا دانشمند انسان تھا۔ بعض لوگ اُسے پیغمبر بھی مانتے ہیں اور بعض دیگر مصلح اور مجدد۔ بہر حال فلسفہ کی دنیا میں اُسکی اتنی اہمیت ہے کہ اُسکے وجود کیستا تھا فلسفہ مقابل سقراط اور ما بعد سقراط میں تقسیم ہو جاتا ہے۔ سردمارکس ٹلینیس (Cicero Marcus Tullius 106-43 BC) رومی فلسفی اور مدبر سقراط کے متعلق لکھتا ہے۔

”سقراط پہلا انسان تھا جو فلسفہ کو آسمانوں سے نیچے لایا۔ اسے زمین پر شہروں میں مضبوطی کے ساتھ تحریم ریز کیا۔ اسے لوگوں کے گھروں میں لا یا تاک لے لوگ اپنی زندگیوں اور اپنے طرز عمل کا جائزہ لیں۔“ (Cicero, Fragments V4, 10) بووال (انگریزی) سقراط اور اقتصنومصنف، میگ پارکر صفحہ ۸۳

اس کو عجیب اتفاق ہے کہ یا کوئی اللہ تعالیٰ کی خاص حکمت کہ جس ”زکی غلام“ کا وعدہ حضرت مرزاصاحبؒ کو بخشنا گیا، اُسے متعلق بھی اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ”کَانَ اللَّهُ نَزَّلَ مِنَ السَّمَاءِ“، یعنی اُسکے نزول کیستا تھا اللہ تعالیٰ آسمان سے نازل ہو گا۔ سقراط جس کا شارع معاشر انسان مدد ترین لوگوں میں ہوتا ہے۔ اس نے تقریباً تیس برس کی عمر میں اپنے آپ کو تسلیک کے خلاف جہاد اور نیکی کی محبت بیدار کرنے کیلئے وقف کیا تھا۔ اس نے نوجوانوں کا ایک گروہ اپنے گرد جمع کیا اور ان میں تحقیق و جتحوکی ایسی روح پھوکی جو انہیں علم اور نیکی کی طرف لے جانیوالی تھی۔ اُس کا مشہور ”نظریہ علم“، بعد ازاں اہل علم حضرات کیلئے معمہ بن گیا۔ ہزاروں سال اس ”نظریہ علم“ پر غور و فکر ہوا لیکن انسانی مجدد عقل اس کا عقدہ حل نہ کر سکی اور اس طرح سقراط اور اُس کا یہ ”نظریہ علم“ ہر دور میں علماء کیلئے پہیلی بنا رہا۔ اسی لئے پرنسپن یونیورسٹی کے پروفیسر آف فلاسفی گریگوری ولسٹاس (Gregory Vlastos) لکھتے ہیں۔

”ہمیں ایک انسان کا پہنچتا ہے جو کمل طور پر پہیلی ہے۔ دیگر فلاسفہ نے پہیلی کے متعلق بات کی ہے۔ سقراط نے نہیں۔ سقراط بذات خود ایک پہیلی ہے۔“ (سقراط کا فلاسفہ،

(انگریزی) مصنف گریگوری ولسٹاس صفحہ ۲)

یہ بھی یاد رہے کہ کوئی بھی پہلی بوجھنے سے پہلے مشکل ترین معہد ہوا کرتی ہے اور بوجھنے کے بعد وہی پہلی آسان ترین بات ہو جایا کرتی ہے۔ فلسفہ کے بیسوں صدی کے ایک مصر پروفیسر سٹیشس صاحب اپنی مشہور زمانہ کتاب ”یونانی فلسفہ کی تقدیری تاریخ“ کے صفحہ ۱۳۹ پر لکھتے ہیں۔

”لیکن جیسا کہ سقراط کیلئے نیکی کی تہاڑھ طاس کا علم ہونا ہے اور جیسا کہ علم قطبی ہے جس کو بذریعہ تعلیم سکھایا جا سکتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ نیکی بھی قبل تعلم ہونی چاہیے۔ مشکل صرف یہ ہے کہ کسی معلم کو ڈھونڈا جائے جو نیکی کے تصور کو جانتا ہو۔ نیکی کا وہ تصور جسے سقراط نے سوچا اور جو علم کا انمول جز ہے جس کو کسی مفکر نے آج تک دریافت نہیں کیا اور اگر کبھی وہ دریافت ہو گیا تو فوراً اسے پڑھایا جائے گا اور اس طرح انسان فوراً نیک ہو جائیں گے۔“

جناب شیخ صاحب! مجھے امید ہے کہ آپ کو بخوبی انداز ہو گیا ہو گا کہ سقراط کا پیش کردہ ”نیکی کا تصور“ کتنا ہم ہے اور دوسرا یہ کہ اب تک کسی مفکر شرقی یا غربی نے اسے دریافت نہیں کیا۔ اور آج حضرت مرزا صاحبؑ کے موعود ”رُکی غلام“ یعنی خاکسار کا یہ دعویٰ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے ”نیکی“ کے اس تصور کا کامل علم بخشنا ہے جسے سقراط نے علم قرار دیا تھا۔ اور مزید لچک پ اور اچھبے کی بات یہ ہے کہ اسکے اکشاف کے دوران اللہ تعالیٰ نے ۲۰ فروری ۱۸۸۲ء کی الہامی پیشگوئی کی مرکزی علامات پوری فرمادی ہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

”وَهُنَّ ذِيْنَ وَفَهِمُ هُوَكَا— اُور دل کا حليم۔ اور علوم ظاہری و باطنی سے پُر کیا جائے گا۔ اور وہ تین کو چار کرنے والا ہو گا۔ (اسکے معنی سمجھ میں نہیں آئے) دو شنبہ ہے مبارک دو شنبہ۔ فرزند لبند گرامی ارجمند۔ مُظَهَّرُ الْأَوَّلِ وَالْآخِرِ— مُظَهَّرُ الْحَقِّ وَالْعَلَاءِ— كَانَ اللَّهُ نَزَّلَ مِنَ السَّمَاءِ۔“

میں یہاں وضاحت کرتا چلوں کہ ”وَهُنَّ ذِيْنَ وَفَهِمُ هُوَكَا— اُور دل کا حليم۔“ دل کا حليم ہونے کے الفاظ مشتبہ ہو سکتے ہیں اور ہر انسان اپنے ذوق کے مطابق کسی انسان کو دل کا حليم قرار دے سکتا ہے اور کسی کو نہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے موعود زکی غلام کے ذہین اور فہیم ہونے کی نشانی بھی قائم فرمادی تاکہ لوگ اپنے اپنے ذوق کے مطابق ڈھکو سلے نہ لگاتے پھر یہ — اللہ تعالیٰ ان الفاظ کے آگے فرماتا ہے۔ ”او علوم ظاہری و باطنی سے پُر کیا جائے گا۔“

جناب شیخ صاحب! آپ نے ان الفاظ کی ڈھکو سلے کیسا تھوڑا جو تشریح فرمائی ہے وہ قطبی طور پر غلط ہے۔ جناب آپ جانئے ہیں کہ اللہ تعالیٰ سورہ حمد یہ کی آیت ۲ میں فرماتا ہے۔

**هُوَ الْأَوَّلُ وَالْآخِرُ وَالظَّهْرُ وَالبَاطِنُ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ۔** ترجمہ۔ وہ اوں بھی ہے اور آخربھی اور ظاہر بھی ہے اور باطن بھی اور وہ ہر چیز کو جانتا ہے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے چار صفاتی ناموں کا ذکر فرمایا ہے، اذل۔ آخر، ظاہر اور باطن کا۔ علوم ظاہری و باطنی سے پُر کیا جائے گا سے مراد یہ ہے کہ اس موعود غلام کو اللہ تعالیٰ اپنے ان صفاتی ناموں ”ظاہر“ اور ”باطن“ کا علم بدرجہ اتم عطا فرمائے گا اور یہ علم کیا ہے؟ یہ علم حقائق الاشیاء اور اس نور کا علم ہے جو محیط کل ہے۔ بالفاظ دیگر اللہ تعالیٰ اس موعود غلام کو اپنا ایسا کامل عرفان بخشے گا جس کے ساتھ وہ اپنوں اور غیروں کا منہ بند کر دے گا۔ اور کیا یہ مقصود میرے ”الہی نظریہ“ میں پورا نہیں ہو گیا؟ آگے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ وہ اوں اور آخر کا مظہر ہو گا اور حق اور اعلیٰ کا مظہر ہو گا اور یقیناً اسکے نزول کیسا تھا اللہ تعالیٰ آسمان سے نازل ہو گا۔ یہ الہامی الفاظ بھی اس موعود غلام کے ”ذہین اور فہیم“ ہونے کی علامات ہیں۔

جناب شیخ صاحب! آپ اپنی دیانتداری اور غیر جانبداری کا اکثر ذکر کرتے رہتے ہیں لیکن آپ پروفسوں ہے کہ آپ نے اپنے جو ای مضمون میں پیشگوئی غلام مسح الزماں کی مرکزی علامت کو گول کر کے بد دیانتی اور جانبداری کا مظاہر کیا ہے۔ آپ اس پیشگوئی کا لفظ بلفظ تجزیہ کرتے چلے گئے، لیکن پیشگوئی کے ان الفاظ ”اور وہ تین کو چار کرنے والا ہو گا۔ (اسکے معنی سمجھ میں نہیں آئے) دو شنبہ ہے مبارک دو شنبہ۔ فرزند لبند گرامی ارجمند۔ مُظَهَّرُ الْأَوَّلِ وَالْآخِرِ— مُظَهَّرُ الْحَقِّ وَالْعَلَاءِ— كَانَ اللَّهُ نَزَّلَ مِنَ السَّمَاءِ۔“ کو یکسر چھوڑ دیا۔ کیا آپ کی بھی دیانتداری اور غیر جانبداری ہے؟ اگر آپ پیشگوئی کی اس مرکزی علامت کا ذکر نہ کرے بد دیانتی اور جانبداری کا مظاہرہ کر سکتے ہیں تو پھر حضرت مرزا صاحبؑ کے بارے میں کیا جھوٹ نہیں بول سکتے؟ کسی بات کو ماننا نہ ماننا آپ کی مرضی پر مختص ہے لیکن آپ پیشگوئی کی اس مرکزی علامت کا کم از کم ذکر تو کرتے۔ الہامی پیشگوئی کے یہ الفاظ ہیں کہ اگر یہ اپنی تدبیر اور چالاکی سے پورے ہو سکتے ہو تے تو مجھ سے پہلے اس پیشگوئی کے جتنے دعویدار ہو گزرے ہیں، ان میں سے کم از کم مرزا بشیر الدین محمود احمد پیشگوئی کی اس مرکزی علامت کو ضرور پورا کر لیتا۔ اور یہ وہ علامت ہے جس کیسا تھا سقراطی ”نیکی کے تصور کا علم“، پیشگوئی کے مصدقاق کو دیا گیا ہے۔ میرے الہی نظریہ میں جو ”نیکی کی ماہیت“ بیان کی گئی ہے کیا آپ اس کو جھلا سکتے ہیں؟ ہرگز نہیں۔ قیامت تک آپ جیسے لوگوں کیلئے یہ لمحہ فکر یہ ہے اور یہی میرے دعویٰ کا بنیادی ثبوت ہے۔ یہ ثبوت میرا خود ساختہ نہیں بلکہ پیشگوئی کے الہامی الفاظ میں موجود ہے۔ آپ فلسفہ کی تمام کتب پڑھ جائیں آپ کو ان میں ”نیکی کے اس تصور“، کا پتہ نہیں ملے گا اور مل بھی کیسے سکتا ہے کیونکہ ”ہر سخن و قت و ہر لکھتے مقامے دارد“، ہزاروں سال سے مطلوب ”نیکی کے اس تصور“ کا علم مسح الزماں کو بخشنا تھا تاکہ حضرت مسح موعود کی سچائی روز روشن

کی طرح ظاہر ہو جائے۔ جناب دیکھا ہے آپ نے آج بھی حضرت مرزا صاحبؑ کی روحانیت کا کمال؟ میرا آپ سے سوال ہے کہ کیا ایسا عظیم الشان واقعہ وی اور الہام کے بغیر ممکن ہو سکتا ہے؟ اگر ہو سکتا ہو تو ضرور کوئی ویسٹرن دانشوارس معمکن کو حل کر لیتا۔

انسانی تحقیق کیسا تھا حصول علم کا سلسلہ بھی شروع ہو گیا۔ سقراط نے صرف علم کی ماہیت (نیکی علم ہے) کا نظریہ پیش کیا یعنی ”نظریہ تصورات“۔ سقراط نے یہ تعلیم دی ہے کہ ”سب علم تصورات کے ذریعہ ملتا ہے“۔ سقراط نے تصور (concept) کا لفظ بمعنی تعریف (definition) استعمال فرمایا تھا۔ بجا طور پر کسی شے کا علم ہمیں اُسکی تعریف سے ہی ملتا ہے۔ جب ہم کسی شے کی تعریف کرتے ہیں تو ہم اس شے کی وہ صفات بیان کرتے ہیں جن کی موجودگی اسکے وجود کیلئے لازمی ہے یا بالفاظ ادیگر تعریف میں صرف انہی صفات کو شامل کیا جاتا ہے جو کسی شے کیلئے ضروری ہوتی ہیں اور جنکی عدم موجودگی میں وہ شے وہ نہیں ہو سکتی جو کہ وہ ہے۔ مثلاً انسان کی تعریف ہم اس طرح کریں گے کہ انسان حیوان عاقل ہے۔ انسان کی بہت ساری صفات ہیں لیکن حیوان ہونا اور عاقل ہونا اُسکی تعریف کیلئے ضروری ہیں۔ اگر کوئی شے حیوان نہ ہو تو ہم اُسے انسان نہیں کہہ سکتے۔ بقول ارسطو (Aristotle) تعریف علم کی ابتداء اور انتہا ہے۔ جب ہم ایک تصور سے ایک دوسرے اعلیٰ تر تصور کی طرف اور وہاں سے مزید ایک اور اعلیٰ ترین تصور کی طرف بڑھتے ہیں تو اس دوران ہمارا علم ترقی کرتا ہے۔ سائنس اور فلسفہ کی آخری منزل شعوری یا لاشعوری طور پر بلاشبہ ”اعلیٰ انتہائی ہمہ گیر تصور“ ہی ہے۔ جیسا کہ پروفیسر سٹیس صاحب لکھتے ہیں۔

”تمام سائنس میں عمومیت کا رجحان یعنی بے شمار انفرادی حقائق سے ایک عمومی قانون اخذ کرنے کا رجحان پایا جاتا ہے۔ فلسفہ اس عمل کو انتہا تک لے جاتا ہے۔ یہ حتیٰ المقدور حد تک تعمیم سازی کرتا ہے۔ یہ کوشش کرتا ہے کہ کائنات کی چند عمومی اصولوں کی روشنی میں تشریح کی جائے اور اگر ممکن ہو تو ایک ہی انتہائی اصول کی روشنی میں۔“ (ایضاً صفحہ ۳)

جناب شیخ صاحب! ”نیکی خدا ہے“، کیا یہ وہی ”اعلیٰ انتہائی ہمہ گیر تصور“ نہیں جس کی تلاش میں حضرت انسان سرگردان ہے؟ یقیناً یہ وہی نظریہ ہے۔ اگر کوئی انسان اسے جھٹلا سکتے تو جھٹلا کر دکھائے۔ اور حیرت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس ”اعلیٰ انتہائی ہمہ گیر تصور“ کو پیشگوئی مصلح موعود کا ثبوت بنادیا۔ مجھے اُمید ہے کہ اب آپ کو کچھ پتہ چل گیا ہو گا کہ میرا دعویٰ خیالی ہے یا کہ ایک ایسا حقیقی دعویٰ ہے جس کا میں ایک قطعی اور ناقابل تردید علمی ثبوت رکھتا ہوں۔ آپ لکھتے ہیں۔

”جس شخص کی پیشگوئیوں کو بنیاد بنا کر مصلح موعود کا دعویٰ کر رہے ہیں، میں نے خود اسکے اپنے قول کے ذریعہ اس شخص کے دعوے کی ہوانکال دی ہے۔“

جناب من! جب آپ میرے الہامی پیشگوئی کے قطعی علمی ثبوت کو جھٹلا کر پیشگوئی زکی غلام مسیح الزماں کو غلط ثابت کر دیں گے، تو نہ صرف میں بلکہ ایک دنیا آپ کے اس جھوٹے دعویٰ کو مان لے گی کہ آپ نے حضرت مرزا صاحبؑ کے دعویٰ کی ہوانکال دی ہے۔ مزید آپ لکھتے ہیں۔ ”آپ کا دعویٰ مصلح موعود صرف اور صرف آپ کے ہی خلبان کا نتیجہ ہے۔“

جناب من! ایسے جھوٹے الزامات تو مجھ سے پہلے بھی اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ بندوں پر لگائے گئے تھے۔ محسن انسانیت میں اللہ تعالیٰ کی تو مثال ہی الگ ہے۔ سقراط اپنے وقت کا عظیم مصلح اور عارف باللہ تھا لیکن اُس نے اپنی زندگی میں کچھ نہیں لکھا۔ وہ صرف زبانی طور پر مکالماتی انداز میں درس و تدریس دیا کرتا تھا، لیکن اسکے باوجود آج تک دنیا علیٰ علم و حکمت میں اُسے ایک انتہائی قد آور شخصیت کے طور پر یاد کیا جاتا ہے۔ عالم اسلام کے پہلے مجدد اور مصلح عمر بن عبد العزیزؓ کے پاس کوئی ڈگر یا تھیں اور آپ نے کتنی کتابیں لکھی تھیں؟ اصلاح اور تجدید کی ہر زمانے میں الگ نویت ہوا کرتی ہے۔ بعض اوقات کسی ڈگر یا بغیر کوئی کتاب لکھنے اللہ تعالیٰ یہ غرض پوری کر دیا کرتا ہے اور بعض اوقات اصلاح و تجدید کی یہ غرض اللہ تعالیٰ ایک رسالہ میں بھی پوری فرمادیا کرتا ہے۔ دنیا کے ہر مذہب اور دھرم کی بنیاد ذات باری تعالیٰ پر ہے۔ ”نیکی خدا ہے“ کے الہی نظریہ میں اللہ تعالیٰ نے اس عاجز پر احسان فرماتے ہوئے اپنے کامل عرفان سے علمی رنگ میں آگاہی بخشی تاکہ لوگ ذات باری تعالیٰ کی عبادت اسکے کامل عرفان کیسا تھکریں۔ الحمد للہ۔ جناب من! کیا ایسا عظیم الشان کام میمونوں سے سرانجام پاتا ہے؟ کیا ایسا کام علومِ دنیا و سماوی کے بغیر بھی ممکن ہے؟ ہرگز نہیں۔ آپ وہ اعتراض توکریں جس کی کوئی علمی بنیاد ہو لیکن اعتراض برائے اعتراض تو محض ضد کا دوسرا نام ہے۔ آپ کے دیگر بہت سارے اعتراضات کے جوابات پہلے ہی میری کتاب ”علم مسیح الزماں“ میں موجود ہیں لہذا اعتراض کی ضرورت نہیں۔ ختم نبوت، اُجرا نے نبوت، حیات مسیح اور وفات مسیح پر پچھلی صدی میں بہت بحث و مباحثہ ہو چکا ہے۔ آج اگر آپ نے حضرت مسیح موعودؐ کو جھٹلانا ہے تو خاکسار آپ کی پیشگوئی مصلح موعود کے

ہیں۔

آپ نے ایک جگہ لکھا ہے۔ ”اور کیا ایم اے کی ڈگری حاصل کرنے یا ایک کتاب لکھ دینے سے بندہ علوم ظاہری و باطنی سے پڑ ہو جاتا ہے۔“ آپ کو یاد رہے کہ علوم ظاہری و باطنی سے ایم اے کی ڈگری کا کیا تعلق ہے؟ اکثر اللہ تعالیٰ نے ان پڑھا اور اُمی انسانوں پر اپنا یہ فضل فرمایا ہے۔ آنحضرت ﷺ کی تو مثال ہی الگ ہے۔ سقراط اپنے وقت کا عظیم مصلح اور عارف باللہ تھا لیکن اُس نے اپنی زندگی میں کچھ نہیں لکھا۔ وہ صرف زبانی طور پر مکالماتی انداز میں درس و تدریس دیا کرتا تھا، لیکن اسکے باوجود آج تک دنیا علیٰ علم و حکمت میں اُسے ایک انتہائی قد آور شخصیت کے طور پر یاد کیا جاتا ہے۔ عالم اسلام کے پہلے مجدد اور مصلح عمر بن عبد العزیزؓ کے پاس کوئی ڈگر یا تھیں اور آپ نے کتنی کتابیں لکھی تھیں؟ اصلاح اور تجدید کی ہر زمانے میں الگ نویت ہوا کرتی ہے۔ بعض اوقات کسی ڈگر یا بغیر کوئی کتاب لکھنے اللہ تعالیٰ یہ غرض پوری کر دیا کرتا ہے اور بعض اوقات اصلاح و تجدید کی یہ غرض اللہ تعالیٰ ایک رسالہ میں بھی پوری فرمادیا کرتا ہے۔ دنیا کے ہر مذہب اور دھرم کی بنیاد ذات باری تعالیٰ پر ہے۔ ”نیکی خدا ہے“ کے الہی نظریہ میں اللہ تعالیٰ نے اس عاجز پر احسان فرماتے ہوئے اپنے کامل عرفان سے علمی رنگ میں آگاہی بخشی تاکہ لوگ ذات باری تعالیٰ کی عبادت اسکے کامل عرفان کیسا تھکریں۔ الحمد للہ۔ جناب من! کیا ایسا عظیم الشان کام میمونوں سے سرانجام پاتا ہے؟ کیا ایسا کام علومِ دنیا و سماوی کے بغیر بھی ممکن ہے؟ ہرگز نہیں۔ آپ وہ اعتراض توکریں جس کی کوئی علمی بنیاد ہو لیکن اعتراض برائے اعتراض تو محض ضد کا دوسرا نام ہے۔ آپ کے دیگر بہت سارے اعتراضات کے جوابات پہلے ہی میری کتاب ”علم مسیح الزماں“ میں موجود ہیں لہذا اعتراض کی ضرورت نہیں۔ ختم نبوت، اُجرا نے نبوت، حیات مسیح اور وفات مسیح پر پچھلی صدی میں بہت بحث و مباحثہ ہو چکا ہے۔ آج اگر آپ نے حضرت مسیح موعودؐ کو جھٹلانا ہے تو خاکسار آپ کی پیشگوئی مصلح موعود کے

مطابق موعود کی غلام مسیح الزماں ہونے کا دعویدار ہے اور اس الہامی پیشگوئی کا کامل ثبوت بعنوان ”نیکی خدا ہے“ آپ کی خدمت میں بھی تھیج چکا ہے۔ اگر آپ اس جامع علمی نظریہ کو جھٹانے میں کامیاب ہو گئے تو نہ صرف میں ایک خلیفہ قم آپ کے حضور پیش کرتے ہوئے اپنی غلطی تسلیم کروں گا، بلکہ ساتھی حضرت مرزاصاحبؒ کے دعاوی پر بھی از سر نو غور کروں گا۔ اگر آپ واقعی متلاشی حق ہیں اور اس مشن میں اخلاص رکھتے ہیں تو فوراً اس نیک کام کیلئے کمرس لیجئے۔ جناب من! آپ کی اس کاوش سے ایک جہاں کا بھلا ہوگا۔ آزمائش شرط ہے۔

## شیخ صاحب سے دردمندانہ اپیل!

جناب شیخ صاحب! خدا گواہ ہے کہ ایک دردختا آپ کے لئے جس نے مجھے آپ کو نصیحت کرنے کیلئے جوش دلایا۔ آپ ظاہری طور پر ایک ملنسار اور محبت کرنے والے انسان ہیں۔ اندر کی باتیں اللہ تعالیٰ جانتا ہے۔ مجھے یقین ہے آپ میری ذات کے دشمن نہیں، لیکن آپ سچائی کے دشمن ضرور بن چکے ہیں۔ اسکی وجہ خواہ کچھ بھی ہو۔ بہر حال میں اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ما یوس نہیں اگر وہ چاہے گا تو آپ کو بھی ضرور ہدایت بخشے گا۔ آپ کا یہ کہنا کہ خاکسار حضرت مرزاصاحبؒ کی غلامی کا درم ربوہ کے ماحول کی تربیت کے زیر اثر بھر رہا ہے، غلط ہے۔ ربوہ کے ماحول اور نظام سے میں بھی متاثر نہیں ہوا۔ یہ ماحول اور نظام تو صاف فطرت اور حق گولوں کو جماعت سے باہر بھکار رہا ہے۔ اور ہاں حضرت مرزاصاحبؒ کی دُعا کے نتیجہ میں خاکسار کی کایا ضرور پلٹ گئی۔ دین اسلام اور آنحضرتو سلیمانیہ کی محبت کچھ تو پیدائشی طور پر میرے رگ و ریشمہ میں تھی اور کچھ حضرت امام مہدیؑ کی دُعائے اسکی آبیاری کردی۔ اگر آپ بھی میری جگہ پر ہوتے تو آپ بھی آج وہی کچھ کرتے جو میں کر رہا ہوں۔ اب آتا ہوں میں آپ کے نفیاتی مطالعے کی طرف۔ آپ درحقیقت نظام گزیدہ ہیں۔ اکثر دیکھا گیا ہے کہ نظام جماعت سے اکتائے ہوئے اور اسکے بھاگے اور بھگائے ہوئے مظلوم لوگ اپنی نسبتی سمجھی اور کم فہمی کیوجے سے بانی سلسلہ پر ہی حملہ آور ہو جاتے ہیں۔ حالانکہ یہ طریق غلط ہے۔ مگر افسوس اس طریق کے خالق بذات خود نظام کے کرتا دھرتا ہیں۔ بالفاظ دیگر یہ لوگ اس بات کیلئے جوابدہ ہیں۔ ذمہ دار ہیں۔ جو انکی وجہ سے کوئی آپ کی طرح بانی سلسلہ تک جا پہنچتا ہے اور بعض اوقات دہریہ تک بن جاتا ہے۔ سال گذشتہ کے آخر میں جب آپ پاکستان گئے تھے تو بقول آپ کے وہاں آپ نے حضرت مسیح موعودؑ اور آپ کی قائم کرده جماعت کے بارہ میں جب خوب خالقانہ تقریریں کیں تو حسب روایت، جب آپ کو اس سے منع کرنے اور روکنے کیلئے ربوہ میں مقیم آپ کے عزیز واقاب کو درمیان میں لا یا گیا تو اس وقت آپ نے ان سب کو یہ طعنہ دیا تھا کہ اس وقت آپ کہاں تھے جب نظام میرے ساتھ زیادتیاں کر رہا تھا؟ واللہ عالم۔ تو گویا یہ آپ کا ایک رعمل تھا اور ہے۔ نظام سے بغاوت اور حضرت مسیح موعودؑ کی مخالفت چہ معمی دارد؟ نظام خلیفہ ثانی کا ہے اور جماعت حضرت مسیح موعودؑ کی۔ ان دونوں کو گلڈ مٹنے کریں۔ میں نظام کے اُو چھے ہتھنڈوں سے بخوبی واقف ہوں۔ اور آپ کے درکو بھی خوب سمجھتا ہوں۔ لوگوں کی ایک کثیر تعداد اس نظام سے شاکی ہے۔ اور بہت سارے لوگ جو صاف فطرت ہیں اور نیک روحلیں رکھتے ہیں۔ وہ حضرت مسیح موعودؑ کو سچا سمجھنے اور ماننے کے باوجود بھی اگر جماعت میں آنے سے گریزاں رہتے ہیں تو اسکی وجہ بھی ”باعوم“ ہمارا یہی ”شیطانی نظام“ ہے۔ جو انسان سے آزادی ضمیر اور اظہار اے کا وہ حق بھی چھین رہا ہے جس کی خود دین اسلام نے مختار دی ہے۔ ہم نے ایک نظام بنایا اور اس کا رخ آہستہ آہستہ دین اسلام کی آڑ میں حکومتی ایوانوں کی طرف موڑ دیا۔ (جس سے ان سب سیاسی اور خصوصاً نیم مذہبی جماعتوں کا ماتھا ٹھنکا جو بذات خود طاقت و حکومت کے حصوں کی خواہاں تھیں) جبکہ دین اسلام ہماری آڑ نہیں بلکہ اُوڑنا پچھونا ہے اور یہی حضرت مسیح موعودؑ کا مشن تھا یعنی تجدید دین ناکہ تجدید دنیا جو کہ آج کی ایک افسوسناک حقیقت ہے۔ اللہ تعالیٰ اور اسکے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے جو نظام دیا تھا کیا وہ ناکافی تھا کہ جو ایک نئے نظام کی ضرورت پیش آگئی؟ میں نے یہ مضمون اس امید کیسا تھا لکھا ہے کہ آپ کے ایسے تمام تصورات جو قرآن و حدیث کی روح سے اور اسکے مغز سے عاری ہیں اور محض پوست اور چلکے پر مشتمل ہیں بالآخر حد اعدالت میں آ جائیں اور آپ ایک راست فکرانان کے طور پر صراط مستقیم پر چلانا شروع کر دیں۔

”یہ دنیا چند روزہ ہے اور ایسا مقام ہے کہ آ خرفنا ہے۔ اندر ہی اندر اس فنا کا سامان لگا ہوا ہے وہ اپنا کام کر رہا ہے مگر خبر نہیں ہوتی اسکے خدا شناسی کی طرف قدم جلد اٹھانا چاہیے۔ خدا تعالیٰ کامرا اسے آتا ہے جو اسے شناخت کرے اور جو اسکی طرف صدق و فا سے قدم نہیں اٹھاتا اسکی دعا کھلے طور پر بقول نہیں ہوتی۔ اور کوئی نہ کوئی حصہ تاریکی کا اسے لگا رہتا ہے۔“ (ملفوظات جلد ۲ صفحہ ۲۲۹) دُعا ہے اللہ تعالیٰ آپ کو اسکی توفیق عنایت فرمائے۔ اور آپ جس خلط مبحث میں پھنس کر رہے گئے ہیں اس سے نجات بھی کہ بقول اکبر آلہ آبادی

**بجھیں فضول تھیں یہ کھلا حال دیر میں - افسوس عمر کٹ گئی لفظوں کے پھیر میں**

خیراندیش

عبد الغفار جنبہ

مورخہ ۱۵ اپریل ۲۰۰۵ء

☆☆☆☆☆